حکم کے اور چمکا دینے والا آفتاب بھیجا ہے۔"

۳۳
۴۵-۴۶

غور و فکر کرنے کے بجائے ہم آپس میں صفاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح الجھ گئے کہ راہِ نجات سے بھٹک گئے ہیں حالانکہ مسئلہ بہت ہی سیدھا اور صاف ہے۔

بر رُخِ احمد جمالِ کبریا
نیست پنہاں آشکارا دیدام

رب فرماتے ہیں:۔

"وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" یعنی اے محبوب ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

زمین و آسمان کے درمیان جتنی بھی چیزیں ہیں رب کی ثناء میں مشغول ہیں اور یہ سب جانتے ہیں ثنائے رب درجۂ تکمیل نہیں پاتی کہ رسالت کا اقرار جزوِ حمدِ باری تعالیٰ ہے۔ اور شرطِ اوّل ہے، تو معلوم ہوا کائنات کی ہر شے ربِ جلیل کی ثناء کے ساتھ ساتھ محبوب کبریا کی بھی گواہی دے رہی ہے۔ کیا شان ہے سیّد مصطفےٰ ﷺ کی، گویا ہر چیز میں آپ کا نور ہے کیونکہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر

عرفانِ رب اور اس کی تعریف ممکن ہی نہیں۔

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں وہی مستور ہے

جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی ہمیشہ تعریف اور محاسن ہی بیان کئے جاتے ہیں نہ کہ نقائص کا نظر آنا اور اس کی صفات سے انحراف کرنا جبکہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء معصوم ہیں قرآن سے ثابت ہے تمام انبیاء ہر قسم کے نقائص سے مبرا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو افضل الانبیاء ہیں جن پر رب کریم اور فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ قلم میں فرماتا ہے:۔

ترجمہ: "اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔" (۴/۲۹)

ہر اعتبار سے ممدوح خلق و خالق ہے
وہ ذات پاک جو رحمت ہے دو جہاں کیلئے

جب میرے آقا اللہ کے محبوب ہی ٹھہرے کہ جن کو تمام عالموں کی سرداری عطا فرمائی، تمام عالم سے ممتاز کیا اور قرآن حکیم میں فرمایا:۔

ترجمہ۔ "اے غیب کی خبریں بتانے والے (یعنی نبیؐ)
بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور
خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔"

تشریح:۔ یعنی گواہ اپنی امّت کے اعمال و احوال کا تاکہ روزِ قیامت ان کی گواہی دو شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر بہترین ترجمہ ہے مفردات راغب میں ہے۔

"الشھودُ والشَّھادۃُ الحضورُ مَعَ مشاھَدَۃِ اِمّابِالبَصَرِ اَوبِالبَصِیرَۃِ۔"

یعنی شہود اور شہادت کے معنے ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ اور گواہ کو بھی اس لئے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدے کے ساتھ جو علم رکھتا ہے وہ بیان کرتا ہے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں آپؐ کی رسالت عامّہ ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ۔ "اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی
رسالت جو تمام انسانوں کو گھیرنے والی ہے
خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت نہیں جانتے۔"

(۳۴/۲۸)

تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک
ہونے والی ساری خلق کے شاہد ہیں، اور
ان کے اعمال و افعال و احوال، تصدیق،
تکذیب، ہدایت و ضلال سب کا مشاہدہ
فرماتے ہیں۔ (ابوالسعود الجمل)

دوسری آیت میں ربّ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ "اور اللہ کی طرف بلانے والا ساتھ اس کے
حکم کے اور چمکا دینے والا آفتاب (بھیجا ہے)۔"

اقتباس (۳۳/۴۶)

اس آیت میں "آفتاب" "سراج" کا ترجمہ ہے اور قرآن کریم کے مطابق ہے جیسا کہ سورۃ نوح میں وجعل شمس سراجًا اور سورۃ نبا میں وَجَعَلنا سراجًا وَّھَّاجًا آیا ہے۔

درحقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوّت نے پہنچائی کیونکہ ارشادِ ربّانی ہے:۔

ترجمہ "وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور
سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں
پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ۔" (۴۸/۲۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر و شرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دور کر دیا۔ خلق کے لئے معرفت اور توحیدِ الٰہی کی راہیں روشن اور واضح کر دیں۔ ضلالت کی وادیٔ تاریک میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے نورِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور نبوّت سے ضمائر و بصائر اور قلوبِ روح کو منور کیا۔ حقیقت میں آپؐ کا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے جس نے ہزار ہا آفتاب بنا دیئے اسی لئے اس کی صفت میں "منیر" ارشاد فرمایا گیا ہے۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے جب صفت موصوف پر غالب آتی ہے تو موصوف اسی صفت سے پکارا اور پہچانا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ بشری پر نور کی صفت روزِ ازل سے ہی غالب تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اَوّل ما خلق اللہ نوری

اب جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اوّل ما خلق اللہ نوری یعنی رب تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ فرمایا:۔

یقول غزالیؒ یہ نور پھرتا رہا کہ عظمت کے ساتھ جا ملا

پس اللہ تعالیٰ نے اس کے چار حصّے کر دیئے اور

جزوِ اوّل سے عرش پیدا کیا

جزوِ ثانی سے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا اے قلم لکھ۔ عرض کیا کیا لکھوں، تو ارشاد ہوا، میری توحید اور میرے نبی کی نعتیں لکھ، تب قلم عرش کے گرد جاری ہوا اور اس نے لکھا لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ط

پھر اللہ تعالیٰ نے

جزوِ ثالث سے لوح کو پیدا کیا اور قلم سے فرمایا، لوح پر لکھ۔ قلم نے عرض کیا اے پروردگار کیا لکھوں۔! ارشاد ہوا میرا علم اور جو کچھ قیامت تک پیدا کروں گا سب کچھ لکھ دے پس قلم لوحِ محفوظ میں لکھنے لگ گیا۔

نور کا چوتھا حصّہ ایک عرصے تک پھرتا رہا یہاں تک کہ عظمت سے جا ملا اور سجدہ بجا لایا تو اللہ نے پھر اس کے چار حصّے کئے، پہلے حصّے سے عقل کو پیدا کیا اسے سر میں جگہ دی۔ اور جزوِ ثانی سے معرفت کو پیدا کیا اور سینے میں جگہ دی اور تیسرے سے سورج، چاند اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا اور چوتھے حصّے سے عرش کے اوپر کا غلاف پیدا کیا۔ پھر حضرت آدمؑ کو پیدا کر

کے وہ نور ان میں ودیت رکھا۔ چنانچہ سجدہ دراصل اسی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا۔ عرش کا نور بھی نورِ محمدیؐ سے ہے اور دل کا نور بھی اسی نور سے ہے اور لوح کا نور بھی حضورؐ کے نور سے پیدا ہوا ہے اور نور عالم بھی آپؐ کے نور سے ہی ہے۔ دن کا نور بھی آپؐ کے نور سے ہے۔ آنکھوں کا نور بھی آپؐ کے نور سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے۔

یہ حدیث عجیب بہت سے معنوں کا مجموعہ ہے اس کا انکار وہی شخص کرے گا جو کمالِ نبوت سے واقف نہ ہو گا مگر جو شخص اس سے کما حقہٗ واقف ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس کے دل میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔

ترجمہ: "میں نبی تھا حالانکہ آدمؑ پانی اور مٹی میں تھے۔"

واضح رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات سے اسبق اور اکمل ہیں۔ آپؐ کا جسم مبارک دوسری موجودات کے مانند نہیں، بلکہ آپؐ اپنے نور و جوہر کی صفائی (جیسا کہ پہلے اوراق میں عرض کیا جا چکا ہے)، اور کمالِ ذاتی کے باعث ایک مفرد حیثیت رکھتے ہیں۔

تو جب یہ نورِ نبوت ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے تمام پیغمبروں سے کامل تر اور کل موجودات سے سابق و مقدم بنایا اور اس کی روشنی اور نور کو تمام اجرام علوی و سفلی پر تقسیم کیا۔ تاکہ موجودات کا مرتبہ ان سے کم رہے اور شریعت طبیعت پر مقدم رہے۔ اس کے بعد اس نور کو خلقِ آدم تک نفسِ اوّل میں ودیت رکھا یہاں تک کہ حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور یہ نور ربّانی ان کے دل میں رکھا۔ پس حضرت آدمؑ اس نور کے ذریعے عالم فاضل اور کامل بن گئے۔ پھر یہی نور حضرت آدمؑ کی نسل میں جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ منتقل ہوتا ہوا حضرت شیثؑ میں آیا اور پھر ان سے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ میں منتقل ہوا اور وہاں اس نے صورتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کی، پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے عالم جسمانی کو ختم کر دیا، جس طرح عالمِ روحانی کو ان سے شروع کیا تھا۔ جب یہ نور ہیکل جسمانی میں ظاہر ہوا تو آخری اینٹ کی طرح اپنے انبارِ جنس میں مشترک ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ: "تم فرماؤ (ظاہر صورت بشری میں تو) میں تم جیسا ہوں (البتہ) مجھے وحی آتی ہے۔" (۱۸/۱۱۰)

اب میں چاہوں گا اس سلسلے سے قبل سورۃ اخلاص
بہ نظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ (۱)۔ "تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے"

تشریح:۔ یعنی ربوبیت صفاتِ عظمت و کمال کے ساتھ موصوف ہے۔ مثل نظیر اور شبیہہ سے پاک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے یعنی وہ یکتا ہے۔

ترجمہ (۲) "اللہ بے نیاز ہے"

تشریح۔ ہر چیز سے بے نیاز ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اور اس کی کوئی مثال نہیں۔

ترجمہ (۳) "نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا"

تشریح۔ کیونکہ وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث کی شان ہے۔

ترجمہ (۴) "اس کا کوئی ہمتا و عدیل نہیں"

اس آیۃ شریفہ کے بعد آئیے نفسِ مضمون کی طرف کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم صفت نور سے متصف ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ۔ "اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک

چراغ ہے اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
اور فانوس گویا ایک ستارہ ہے، موتی چمکتا
روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے
نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا
تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔
نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے
جسے چاہتا ہے اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے
لوگوں کے لئے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے"

(۲۴/۳۵)

تشریح:۔ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا من جملہ اور صفاتِ الٰہیہ کے نور بھی اس کی ایک صفت ہے۔ تو اس کی ذات نہیں کہی گئی پھر ذاتِ الٰہی کو طول و عرض اور مختلف شبیہات سے منسوب کیا جانے لگے گا اور ذاتِ باری تعالیٰ ہر قسم کی مثل شبیہہ اور نظیر سے پاک ہے اور ہماری عقلوں سے بالاتر۔ مندرجہ بالا مثال اللہ کی ایک صفت نور کی ایک مثال ہے جس سے آپؐ کو متصف فرمایا تو معلوم ہوا یہ تمثیل نورِ سید الانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ کی ہے قرآن کریم میں آپؐ کو کئی اور جگہ بھی نور فرمایا گیا ہے۔

ارشادِ پاک ہے:۔

"بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے

نور آیا اور روشن کتاب"۔ (اقتباس ۵/۱۵)

حضرت ابنِ عباسؓ نے کعب سے فرمایا اس آیت کے معنے بیان کرو انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی روشندان (طاق)، تو حضورؐ کا سینہ شریف اور فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوّت کہ شجرِ نبوّت سے روشن ہے اور اس نورِ محمدیؐ کی روشنی اور اضائت اس مرتبہ کمالِ ظہور پر ہے اگر آپؐ اپنے نبیؐ ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں تو تب بھی خلق پر ظاہر ہو جائے۔ محمد بن کعب قرضیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن و کمالات نزولِ وحی سے قبل ہی خلق پر ظاہر ہو جائیں۔

"نور پر نور ہے" معنی نبی ہیں نسل نبی سے نورِ محمدیؐ ہے نورِ ابراہیمیؑ پر۔ حضرت ابنِ عمر سے مروی ہے روشندان تو سیّدِ عالمؐ کا سینہ مبارک ہے اور فانوس قلبِ اطہر اور چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا۔

"شرقی ہے نہ غربی" معنی یہ کہ یہودی ہے نہ نصرانی

کہ یہودی مغرب کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور نصرانی مشرق کی طرف "ایک شجرۂ مبارک سے روشن ہے" وہ شجرہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ نور قلب ابراہیمؑ پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نور پر نور ہے۔ (بحوالہ خازن)

اب دیکھئے اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں میرا نور زمین و آسمان پر محیط ہے تو غور کیجئے کسی ایک چیز کو صفتِ نور کی وجہ سے اللہ کی ذات سے منسوب کرنا صریح گمراہی ہے اس غلط فہمی کا ازالہ کہ نعوذ باللہ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کی تمثیل ہے سورۃ اخلاص کی تشریح سے ہوتا ہے اور اللہ بقول ایک درویش کے ؎

بے رنگ کہوں بے مثل کہوں

بے صورت ہر ہر آن کہوں

اوپر دی ہوئی آیات مع تشریح و تفصیل پڑھنے کے بعد ہر قاری حضورؐ کو سرچشمۂ ہدایت، سرچشمۂ نور، سرچشمۂ اخلاق فضائل سرتاپا رحمت ہمدرد و ہم دم ان خصوصیات سے متصف پائے گا۔

اس تمام تشریح اور تفصیل کے بعد عرض کرنا چاہوں گا کہ کسی بھی عنوان کے تحت یہ بات متنازعہ ہونا ہی نہیں چاہیئے۔ دیکھئے! ذرا اس نکتے کی طرف توجہ فرمائیں۔ اگرچہ عزیزِ مصر نے زلیخا کے معاملے کو بہت ہی چھپانا چاہا لیکن یہ خبر چھپ نہ سکی اور اس کا چرچا شہر کی معزز عورتوں تک جا پہنچا۔ شرفاء مصر کی عورتوں نے زلیخا کی بہت مذمت کرنا شروع کر دی کہ "یہ کیسی آشفتگی"۔ جس کے لئے زلیخا نے اپنی ناموس، پردے اور عفت و عزت تک کا لحاظ نہ کیا۔

جب زلیخا نے اُن کے طعن سُنے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت پر اسے ہدفِ ملامت بنایا جا رہا ہے تو زلیخا نے تقریباً (۴۰) چالیس اشرافِ مصر کی عورتوں کے لئے ایک پُر تکلف دعوت کا انتظام کیا۔ یہ وہ عورتیں تھیں جنھوں نے زلیخا کی محبت پر ملامت کی تھی۔ غرضیکہ ان مہمان عورتوں کے لئے دستر خوان بچھائے گئے اور قسم قسم کے میوہ جات اور کھانے چُنے گئے۔ ان میں سے ہر ایک عورت کو ایک ایک میوہ کاٹنے کی چھُری اور ایک لیموں بھی دیا گیا۔ جب یہ انتظام مکمل کر لیا تو یوسفؑ کو آواز دے کر ان عورتوں کے سامنے بلایا جوں ہی آپ تشریف لائے تو بجائے میوہ یا لیموں کاٹنے کے عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ

لئے۔ اور کاٹتے وقت جو کلمات اُن عورتوں کی زبان سے ادا ہوئے وہ (ایسے الفاظ) قرآن پاک یہ تھے:۔

"سب عورتیں بول اٹھیں، اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنسِ بشر سے نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ ہے"۔

(ترجمہ آیت نمبر ۳۱۔ سورۃ یوسف۔ پ ۱۲)

صورت انسان خدا را دیدام
من خدا را آشکارا دیدام
خود تجلی کردی خود رنگ برنگ
گاہے مولا گاہے بندہ دیدام

جو لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور وہ استدلال میں آیت۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ پیش کرتے ہیں یہ لوگ يُوْحٰى اِلَيَّ کو صرف نظر کرتے ہوئے بس اس بات پر مصر ہیں کہ سرکارِ دو عالم حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک بشر ہیں تو اُن کے لئے میں حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا واقعہ کہ یوسفؑ کو دیکھ کر مَا هٰذَا بَشَرًا کا نعرہ لیا یہ بشر نہیں ہے سب عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو اب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف کے مقابل کہیں

زیادہ حسین کہیں زیادہ خدائے بزرگ و برتر کے مقرب اور محبوب ہیں تو اُن کو اگر فدایانِ رسولؐ "ما ہذا بشرا" کہیں تو کون سی شرحی قباحت ہو جاتی ہے۔

حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

"یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سلام ہو اُن پر بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے اُن میں جو بھی آیا جانے کے لئے آیا پر ایک اور صرف ایک جو آیا وہ آنے کے ہی لئے آیا وہ جو آنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا چاہیئے، جنھیں کتاب دی گئی ہے اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے ہیں برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اس کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے۔ پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا دُور والے بھی اس کو ٹھیک اس طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا جو آج بھی اس طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جاتا رہے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا۔

"اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لئے رات نہیں ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے ورنہ جنہوں نے ناموں کو کیا وہ اپنے بادیوں کے کاموں کی نگہبانی کر سکتے تھے۔"

جس کو ورفعنا لک ذکرک کہا اس کا ذکر انتہائی بلندیوں تک جا پہنچا اور جس نے بھی اس کے ذکر کو شب و روز وظیفہ کیا اس کو آپ کے طفیل حسبِ استطاعت بلندیاں میسر آئیں۔

رب فرماتے ہیں:

"بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور
خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو
تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور
رسولؐ کی تعظیم و توقیر کرو، اور صبح و شام
اللہ کی پاکی بولو۔" (۴۸/۸-۹)

حق نے کہا۔ اے محمدؐ اگر تم کہو تو ہم اُحد کی پہاڑیوں کو سونا بنا دیں آپ نے عسرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے رب سے دعا کی مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف امت کی خاطر یہ عسرت اس لئے اختیار کی میری امت کے غریب اگر مفلسی کا شکار ہو جائیں تو ان میں احساسِ محرومی پیدا نہ ہو اور ان کا

دل یہ جان کر مطمئن ہو جاتے کہ ہمارے آقا و مولا نے بھی غریبی پسند کی ہے۔ چٹائی پہ اس لئے سوتے، میری امت میں سے کسی کو صرف چٹائی میسّر آئی تو وہ اس پہ فخر کرے گا کہ یہ میرے آقا کی سنّت ہے بوسیدہ کپڑوں میں پیوند بھی اسی لئے لگائے میرے غریب امتی بوسیدہ کپڑوں کا پہننا ایک ادائیگی سنت سمجھیں گے۔ رب فرماتے ہیں:۔

ترجمہ۔ "بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے
وہ رسولؐ تشریف لاتے جن پر تمہارا مشقت
میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت
چاہنے والے اور مومنوں پر نہایت شفقت
کرنے والے مہربان ہیں۔ (۹/۱۲۸)

بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایسے محسن کے ادب و احترام میں تنگ دلی و تنگ ظرفی کا مظاہرہ کیا جاتے۔

کسی مجسٹریٹ کی کچہری میں چپراسی کا نعرہ کہ "صاحب آتا ہے" بلند ہوتے ہی حاضرین کھڑے ہو جاتے ہیں اس کھڑے ہونے پر کسی کو اعتراض نہیں۔ آہ۔ جب صلوٰۃ و سلام کھڑے ہو کر پڑھا جاتے تو باعثِ نزاع بن جاتے۔ شانِ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کے لئے عیدِ میلاد النبیؐ کی محفلوں میں عشاقِ رسولؐ سجاتے ہیں تو ان پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ جہت ہے۔ سیاسی جلسے جلوسوں اور ووٹ حاصل کرنے کے مختلف ہتھکنڈے جن میں تعریفوں کے پل باندھ دیئے جاتے ہیں ان پر کوئی شرعی قدغن نہیں۔

میں تو دیکھ رہا ہوں وہ اخوتِ اسلامی اور وہ تمام احکام خداوندی پس پشت ڈال کر مسلمان آپس میں دست و گریباں ہو گئے۔ جائز اور ناجائز کے فتنے جگائے جا رہے ہیں۔ یہ اچھے اعمال سے راہِ فرار ہے ورنہ بتائیے تو سہی اذان پر جھگڑے، نماز پر جھگڑے، اولیاء کرام پر جھگڑے تو سینے پر ہاتھ کیوں باندھتا ہے۔ تو ہاتھ چھوڑ کے نماز کیوں پڑھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

سوچئے یہ راہِ فرار نہیں تو اور کیا ہے نماز نہ پڑھنے پر سب متفق ہیں اور جو پڑھتے ہیں وہ جھگڑتے ہیں رب فرماتے ہیں:۔

"اے مسلمانوں تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط
پکڑ لو اور آپس میں افتراق نہ ڈالو"۔

کیا اللہ کے اس حکم پہ کاربند ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ "مسلمان کافروں پر شدید اور آپس میں رفیق ہیں"۔
(اقتباس ۴۸/۲۹)

لیکن آج مسلمان حقیقت سے دُور دین کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اور یہی امر باعثِ نزاع ہے۔

جو اصل مسئلے ہیں ان کو قلع قمع کرنے کے لئے کیوں سارے علماء پیر و فقیر متحد نہیں ہو جاتے ہے

رشوت لینے اور دینے کا کیا شرعی جواز ہے؟ جب کہ دونوں دینے اور لینے والے جہنمی قرار دیتے جا چکے ہیں۔ سُود حرام کیا جا چکا ہے۔ گانا بجانا مضامین کے ساتھ کس فحش انگریزی کے ساتھ جاری ہے کیا حرام نہیں ہے؟

لگاتار نمازیں قضا کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھ رہے ہیں جبکہ ہادیٔ برحق نے فرما دیا! کافر اور مومن کے درمیان نماز ہی پہچان بتاتی ہے۔ کم تولنا، جھوٹ بولنا، رب فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:" جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں"۔

(۱۶/۱۰۵)

اس پر طرّہ یہ کہتے ہیں جھوٹ کے بغیر کام نہیں چلتا۔ گناہ اور پھر اس پر استدلال۔ رب تعالیٰ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی

الکٰذبین فرماتے ہیں۔ غور کیجئے تمام گناہوں کی سزا مقرر کی گئی ہے اور سزا کے بعد مجرم پاک ہو جاتا ہے خطا معاف ہو جاتی ہے چونکہ جھوٹ پر کوئی شرعی حد مقرر نہیں اس لئے جھوٹا ہمیشہ لعنت خداوندی میں گرفتار رہتا ہے تا آنکہ باز نہ آجائے اور صحیح توبہ نہ کر لے۔

رشد و ہدایت کے ٹھیکیداروں نے اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے عوض بھاری بھاری فیسیں مقرر کر لی ہیں پیسے سے خریدے ہوئے پند و نصائح کیا دلوں میں اتر سکتے ہیں؟ بلکہ میں تو انہوں کا دین کو خواہشات کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنا اور جائز و ناجائز کے فتنے جگا کر افتراق پھیلانے میں یہی لوگ ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ علماء آپس میں دست و گریباں ہیں۔ پیر فقیروں نے بھی اپنی دکانیں چمکانے کے لئے سادہ لوح دین کے متلاشی مسلمانوں کو تعویذ گنڈے اور وظائف کے چکروں میں ڈال کر دین کی حقیقتوں سے دُور کر دیا ہے۔

اقبال اول:۔

لبی: تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں

کہ درویشی بھی عیّاری اور سلطانی بھی عیّاری

کہیں آپ ان معروضات سے مجھ پر دہریہ یا لامذہب ہونے کا فتویٰ صادر نہ فرما دیں۔ میرا ایمان ہے باعمل عالم دین ستونِ دین ہیں ہم پر ان کا احترام واجب ہے۔ پیر و فقیر برحق، بشرطیکہ وہ اپنے مریدوں کو ایسی راہیں بتائیں جس سے احساسِ امر و نواہی بیدار ہو جائے، اسوہ حسنہ پر چلنے میں اور اطاعت و عبادت میں مرید عبادت کی سرور و کیفیات پانے لگے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ مکّار ہمارے اسلامی معاشرے کے ناسور ہیں، ہمیں بتایا گیا ہے کوئی شخص اگر ہوا میں اڑتا ہے اور پانی میں مصلّہ بچھا کر نماز پڑھتا ہے لیکن اگر وہ پابند شریعت نہیں تو اس کو شیطان سمجھو۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ماقبل بعثتِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جتنے ہادی انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجے ان کی تکذیب کی گئی، مذاق اڑائے گئے۔ حجتیں تمام ہوئیں، نافرمان ذلّت و خواری کے طوق گلے میں ڈالے اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ میں عرض کر چکا ہوں ہم بھی کچھ اسی طور نافرمانیوں میں مبتلا ہیں اگرچہ ہم ابھی اپنی بدکرداری اور نافرمانیوں کے انجام تک نہیں پہنچے لیکن اس

کی طرف رواں دواں ہیں۔ انجام تک پہنچنے سے قبل ہمیں متواتر خبردار کیا جا رہا ہے کہ:۔

۱۔ اے نافرمان لوگو یہ نافرمانی اور احکام سے انحراف تمہارے دلوں کا سکون برباد کر دے گی اور وہ ہو رہا ہے کیونکہ ہر نافرمان سکونِ قلب سے محروم ہو چکا ہے۔

۲۔ میرے احکام سے گریز تمہارے دلوں سے آپس کی محبت کو عداوت میں بدل دے گا، کیا ایسا نہیں ہے۔؟

۳۔ تمہارا برائیوں پر اصرار اور اس کے جواز تلاش کرنے کی سعی کرنے پر خیر و برکت اٹھا لی جائے گی۔

۴۔ بے جا خواہشات کے لامتناہی سلسلوں میں پھنس کر راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد ہو جائے گا۔ کیا ایسا نہیں ہو رہا ہے؟

گویا انجام تک پہنچنے کے درمیان جو تھوڑا سا وقفہ ہے تو ہم ان حالات سے دوچار ہیں کیا یہ بربادی کی شہادتیں

ناکافی ہیں؟

آئیے ہم سب مسلمان اس طرح ایمان لے آئیں جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں اور اس کے احکامات کی بجاآوری میں لگ جائیں تاکہ ہم سب مسلمان شیر و شکر ہو کر توبہ کے دروازے بند ہونے سے قبل توبہ کر ڈالیں۔ اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کر کے اسوۂ حسنہ پر چل پڑیں جس سے ہمیں سکون ملے اور انجام بخیر ہو۔ کیونکہ پچھلی امتوں کا انجام ہمیں بتا دیا گیا ہے۔

ترجمہ: "اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو کہ آگے کو نصیحت ہو جاتے قریب ہے کہ تمھارا رب تمھاری برائیاں تم سے اتار دے۔"

(۶۶/۸)

(ح) تعریفِ غیب

ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ اللہ ہی حاکمِ اعلیٰ اور قادرِ مطلق ہے اس کی قدرتِ کاملہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہ تمام عالم پر محیط ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ: "اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔" (۱۲/۲۸)

اللہ تعالیٰ ماضی، حال، مستقبل سب سے واقف ہے۔ زمین، آسمان، پہاڑ اور بحر و خاد کی انتہائی گہرائیوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس سے پوشیدہ ہو حتیٰ کہ ہمارے دلوں کی دھڑکنوں سے بھی کما حقہٗ واقف ہے اور تو اور آنے والے خیالات سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔

ترجمہ: "وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔" (اقتباس ۶۷/۱۴)

چیونٹی کی آواز سنتا ہے اور اس کے رینگنے کو اندھیروں اجالوں میں دیکھتا ہے غرض یہ کہ کوئی شے اس قادرِ مطلق جو کہ ہماری عقلوں سے بالاتر ہے اوجھل نہیں جس نے لفظِ کُن سے ہی تو سب کو تخلیق کیا ہے۔ تو بتائیے کون سی چیز ہے جو اس سے غائب ہے جب اس سے کوئی چیز غائب ہی نہیں تو اس کے لئے غیب کا جاننا کیا معنی۔ ہاں آپ اس کو اس طرح سمجھیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ: "ہر نہاں و عیاں کا جاننے والا وہی ہے بڑا مہربان رحمت والا۔" (۲۲/۲۸)

(یعنی جاننے والا موجود کا بھی معدوم کا بھی۔ دنیا کا بھی آخرت کا بھی)

جو ہم سے غائب وہ نبیؐ جانتے ہیں اور انھیں بتایا گیا ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب، اس کو اللہ جانتا ہے اور بتاتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اور بے شک تم قرآن سکھائے جاتے ہو حکمت والے اور علم والے کی طرف سے۔" (۱۶/۶)

"اور جتنے غیب ہیں آسمانوں اور زمین کے سب کتاب روشن میں ہیں۔" (۱۶/۷۵)

سیدھی اور صاف بات ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب تھا اور اس پر تنازعہ ہونا ہی نہیں چاہیئے کہ وہ عطیہ خداوندی تھا یا ذاتی۔ بس یوں جانیئے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت ہے جس سے رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف کیا۔ میں عرض کروں گا جب خالق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق فرمائی تو جسم و جان کے ساتھ تمام علومِ ظاہری و باطنی سے سرفرازی بخشی پھر رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اور اللہ نے تم پر کتاب و حکمت اتاری اور تمھیں سکھایا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔" (۴/۱۱۳)

رحمت اللعالمین کی صفت سے اسی نے انھیں متصف کیا۔

حریص علیکم، عزیز، رؤف، رحیم کی صفات سے نوازا کوئی شبہ نہیں ہے اس میں کسی کو شک و شبہ ہے؟ پس اسی طرح علمِ غیب کی صفت سے نوازا اس پر تنازعہ کیوں؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنا کر "انی اعلم مالا تعلمون" (میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے)، فرما کر فرشتوں کو خاموش کر دیا اور پھر رب تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اشیاء کا علم بطریق الہام عطا فرمایا اور اس طرح فرشتوں پر فضیلت دی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

"اور آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔"

(اقتباس ۲/۳۱)

افسوس کا مقام ہے انسان اپنی ہی اندرونی صلاحیتوں اور طاقتوں سے لاعلم ہے۔ بیرونی دنیا جو کہ عالمِ شعاع اور شواہد ہیں ان میں غور و فکر اور اپنے آپ کو سمجھنے کے بجائے انہی میں کھو گیا۔

وجودِ انسانی میں اخبار کی آمد کے مختلف ذرائع ہیں، ہر ایک دوسرے سے جدا اور کام تقریباً یکساں ہے۔ مثلاً القاء، ادراک، رؤیائے صالحہ، الہام فراست اور کشف جبکہ وحی انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔

القا۔ نہ صرف انسانوں بلکہ دوسرے جانداروں کو بھی ہوتا ہے مثلاً بلی جب پیٹ خراب ہوتا ہے تو وہ گھاس کھاتی ہے، گائے کا بچہ پیدا ہوتے ہی یہ القائے ربانی تھنوں کی طرف بڑھتا ہے اور چوسنے کے عمل سے اپنی غذا لیتا ہے۔

مندرجہ بالا کسی بھی ذریعے سے ایک انسان بہت سی خبریں، آئندہ ہونے والے واقعات کے متعلق کسی حد تک پیشگی معلومات حاصل کر لیتا ہے اب کوئی بھی انسان جو نہ پیغمبر ہے نہ ولی، اوپر دی ہوئی کسی ایک صفت سے متصف ہو سکتا ہے۔ آپ روزمرہ زندگی میں کیا اس قسم کے الفاظ نہیں فرماتے، دیکھئے جو میں نے کہا تھا وہی ہوا۔ یعنی اس بات کا علم آپ کو مذکورہ بالا کسی ایک طریقے سے حاصل ہو گیا۔ اگرچہ آپ آئندہ کے متعلق خود نہیں جانتے۔ اسی طرح آپ یوں بھی سنتے ہیں کہ میں نے کہا تھا وہ مر جائے گا کیونکہ آٹھ دن پہلے میں نے خواب میں اس کو مرتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ واقعی مر بھی جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اس قسم کے ہزارہا واقعات سے آپ دوچار ہوتے رہتے ہیں اور کوئی بھی عالم آپ کی اس غیب دانی پر فتویٰ صادر نہیں فرماتا۔

اب کچھ باطل ذرائع بھی ہیں جن کے لئے سرکارِ دوعالم

صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ تو وہ کسی طرح بھی انسان کے لئے سود مند نہیں ہو سکتے اور ان کی طرف جانا اپنا ایمان کھو بیٹھنا ہے [illegible] دست شناسی، نجوم اور جفر وغیرہ کیونکہ یہ زیادہ تر [illegible] دور اور گمراہی کا سبب ہیں اب اس صریح ممانعت کے [illegible] منتروں سے زائچے تیار کرانا۔ جفاروں سے بھاری بھاری [illegible] دے کر آئندہ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور [illegible] کرنا اپنے آپ کو جانتے بوجھتے گمراہی میں دھکیل دینا [illegible] کیونکہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ اس میں تمہارے ایمان کی آزمائش ہے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، القاء، ادراک، رؤیائے صالحہ الہام وراثت یہ سب رب تعالیٰ کی عنایات ہیں، رب کریم نے یہ ذرائع اظہار ہر انسان میں جزوی طور پر ودیعت فرماتے ہیں تاکہ پیغمبروں پر ایمان لانے اور یقین کو مستحکم کرنے میں آسانی ہو جائے اور انسان شک و شبہ میں نہ پڑ جائے جس سے اس کی آخرت خراب ہو یہ تو ہوئی عام انسان کی بات۔

اب دیکھئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ

افضل البشر، خیر الامم، سردار الانبیاء، خاتم النبیین، محبوب
رب العالمین ہیں ان کا رتبہ اور ان کی عظمت۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے غیب جاننے کا تمسخر اڑاتے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر
یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ سرکارؐ محض ایک انسان تھے
ایسے لوگ درحقیقت قرآن حکیم سے صریح انحراف کرتے ہیں۔
رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اور اللہ تم کو (اے عام لوگو) غیب کی باتوں
سے مطلع نہیں کرے گا، ہاں اللہ چن لیتا ہے
اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ
اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ
اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔"

(۳/۱۷۹)

پھر رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اور یہ نبیؐ غیب بتانے میں بخیل نہیں۔"

(یعنی جس کو اہل سمجھتے ہیں علم و حکمت سے نوازتے ہیں)

(۸۱/۲۴)

ربِ کریم ہم سب کو سمجھ اور فہم کی توفیق عطا فرمائے اور

گمراہی کی تاریکیوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔" آمین۔

(ج) معجزہ اور کراماتِ اولیا کا ظہور

اللہ تبارک تعالیٰ نے جتنے رسول، نبی یا پیغمبر مبعوث فرمائے
انہیں اپنے فضل و کرم سے مختلف معجزات سے نوازا۔ معجزہ کے معنی
ہیں "وہ مظاہرہ جس کی عقل کوئی توجیہہ نہ کر سکے یعنی عقل اور
علم سے بالاتر ہو مثلاً:۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور پھر برابر ہو جانا۔

ایک رات میں معراج کا سفر با الوجوہ ہونا

اور اسی قسم کے دیگر معجزات۔ حیرت کا مقام ہے لوگ
طنز کرتے ہیں اور ان کے صحیح یا غلط ہونے پر عقلی اور علمی دلائل دے
کر کمزور ایمان کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح اولیائے کرام
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے ہیں ان سے عقل اور علم
کے اعتبار سے بالاتر یعنی کرامات کا ظہور ہونا متنازعہ بن جاتا ہے
انبیاء کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات کا تذکرہ
قرآن کریم میں موجود ہے۔ میں ان دو مثالوں پر اکتفا کروں گا:۔

۱۔ جب حضرت سلیمانؑ نے اپنے دربار والوں سے کہا "تم

میں کوئی ایسا ہے کہ قبل اس کے وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس
آئیں بلکہ سبا کا تخت میرے پاس لے آئے۔ تو ان کے دربار
میں ایک ولی جن کا نام آصف بن برخیاہ، اور وہ حضرت سلیمانؑ
کے کاتب اور معتمدِ خاص تھے انھوں نے جیسا کہ قرآن پاک میں
ارشاد ہے کہا:۔

"اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم
تھا میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک
پل مارنے سے پہلے پھر جب حضرت سلیمانؑ
نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے
رب کے فضل سے ہے۔" (۱۶/۴۰)

آصف بن برخیاہ پیغمبر تو نہ تھے ثابت ہے ولی تھے۔
اسی طرح حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا
کرامتِ ولیہ ہے چونکہ وہ پیغمبر نہ تھیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول
کیا اور اسے اچھا پروان چڑھایا اور اُسے
ذکریاؑ کی نگہبانی میں دیا۔ جب ذکریاؑ اس کے
پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس

کے پاس [illegible] پاتے (بے موسم پھل) کہا
[illegible] یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں
وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک۔ اللہ
جسے چاہے بے گنتی دے۔" (۳/۳۷)

اب دیکھئے یہی مسلمان جو قرآن و حدیث پر ایمان رکھتے ہیں
[illegible] ان کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر ڈوبتے اور اچھلتے رہتے
[illegible] ایمان والے ان کے مسلمان ہونے کا پتہ آسانی سے لگا
[illegible]

اگر ایک یورپ کا ڈاکٹر انسانی دل کو تبدیل کر کے دوسرا
دل لگا دیتا ہے اور یہ خبریں جب ہم ریڈیو ٹیلی ویژن یا اور ذرائع
ابلاغ کے ذریعہ سنتے پڑھتے یا دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں
[illegible] کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حیرت تو یہ ہے
ان کے صحیح یا غلط ہونے کے سلسلے میں کبھی کوئی کوشش کرنے
کا خیال بھی نہیں کرتے۔

چاند پر جانے کی مہمات کو ہم نے پڑھا سنا دیکھا سوچتے
[illegible] انہوں میں یہ خیال تک نہ آیا یہ سب جھوٹ ہے یا سچ۔
[illegible] سائنس کی ایجاد و اختراع پر ہم پورا یقین رکھتے ہیں، اس لئے

کوئی بھی بات ہمیں بعید از قیاس نہیں لگتی مجھے حیرت ہوتی ہے ان مسلمانوں پر جو ایک امریکن عورت، جو کہ کافرہ ہے اس کی پیشین گوئیاں تسلیم کرتے ہیں۔ علمِ نجوم اور علمِ جفر کی باتوں پر اعتبار کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جس کے لئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے لیکن جب خدا اور اس کے رسولؐ کا ذکر آتا ہے تو ہمیں اس کی طاقتوں اور کمالات پر شک و شبہ ہوتا ہے۔

انسان نہ تو علمِ کل ہے نہ عقلِ کل، ساری زندگی ہر روز سیکھتا اور سکھاتا رہتا ہے۔ ہم جزوی عقل رکھنے والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس عقلِ کل کے معاملات اپنے محدود علم و مشاہدات پر پرکھیں۔ سو ایمان و اعتقاد کی بنیاد افہام و تفہیم پر کم بلکہ یوں کہیئے۔

BELIEF IS BLIND

LOVE IS BLIND

(اعتقاد اندھا ہے)

(محبت اندھی ہے)

"خ" معراج النبیؐ

واقعہ معراج شریف کے متعلق مجھے تفصیلات میں نہیں جانا کیونکہ آپ بہت کچھ سن چکے، پڑھ چکے جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ بھی کہی جا چکی ہے میں تو صرف ان مسلمانوں سے مخاطب ہوں جو آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ایک کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی دوسرا کہتا ہے صرف روحانی ہوئی۔

بے شک معراج ایک دفعہ روحانی اور دوسری مرتبہ جسمانی ہوئی جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"تو کیا ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو،

اور انھوں نے وہ جلوہ دو بار دیکھا۔" (۵۳/۱۲-۱۳)

غور کیجئے اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے کہیں ایسا تو نہیں آپ کا دل دانستہ یا نادانستہ عظمتِ رسولؐ کریم کی اہانت کر رہا ہے اگر ایسا ہے تو بقول رب تعالیٰ ادب و احترام کی سرتابی سے تمھارے نیک اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے۔

کارسازِ مطلق نے انسان کی وہ تمام حجتیں جو ایمان لانے اور یقینِ محکم کرنے کے لئے ضروری سمجھیں اس عالمِ شہود میں ان کی

مثالیں دے دے کر سمجھا دیا۔ ہادیٔ مبعوث ذیاتے غرض یہ روزِ قیامت کوئی نفس اللہ سے یہ نہ کہہ سکے گا میں نے نہ تو سنا نہ دیکھا نہ پڑھا نہ کسی نے مجھے بتایا اس دن کوئی عذر نہ معقول ہو گا نہ قابلِ سماعت۔

تمھیں اگر براق کی برق رفتاری پر شک ہے تو آج راکٹوں کی برق رفتاری سے سبق لے لو۔ تمھیں اگر پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ معراج جانے پر شک ہے تو چاند پر جانے والوں اور وہاں اذان کی آواز سننے والوں کی بات سن کر اپنے دلوں کو وسواس سے خالی کر لو۔ کیونکہ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔

وَقَابَ قوسین اَو ادنیٰ کا فصل تم کون سے پیمانے سے ناپو گے جبکہ جلوۂ رب اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں دو کمانوں کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ جب سے دنیا بنی ہے کوئی فاصلہ ٹیڑھی چیز سے ناپا نہیں گیا۔ دو کمانوں کا فاصلہ بھی تمھاری فراستِ ایمانی کو دعوتِ فکر ہے اگر دو کمانوں کو ملا لیا جائے تو ایک سرکل یعنی گول دائرہ ◯ بنتا ہے۔ یا پھر قوسین کو فصلِ ابرو سمجھو، مگر کیوں سمجھو وہ سمجھ ہی تمھارے پاس نہیں ہے اس لئے خاموش ہو جاؤ لب سی ڈالو جب میرے سرکار رب کے محبوب ہی ٹھہرے تو

محب اور محبوب کے درمیان دخل اندازی سے باز آجاؤ۔ ع

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہ تو ہوئی عرش کی بات تو فرش والو! اگر تمھارے دلِ انوارِ الٰہی سے لبریز نہیں تو تم ان آنکھوں پر ناز نہ کرو یہ تو دیکھنے کا آلہ ہیں روشنی کی محتاج بالکل ایسے ہی تمھارے اندھے دل جمالِ کبریا اور محبوبِ کبریا۔ بغیر شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے سے عاجز ہیں اس عاجزی کو اپنی مجبوری اور کوتاہی متصور کرو اور واقعہ معراج سے منحرف نہ ہو ورنہ قیاس آرائیوں کے سمندر میں ڈوب جاؤ گے، کہیں کے نہ رہو گے۔ بقول رب تعالیٰ۔

ترجمہ: "کہہ دو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چلے مسلمان ہو کر" (اقتباس $\frac{9}{66-65}$)

آخر میں ان لوگوں سے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج بالجسم ہونے میں شک و شبہ میں گرفتار ہیں پوچھنا چاہوں گا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے بالجسم آسمان پر اٹھائے جانے پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کو بھی خدائے بزرگ و برتر کے

دستِ قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔ جبکہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ۔ "اور ہے یہ کہ نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی
دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہہ کا ایک
بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف
کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں
پڑے ہوتے ہیں۔ انھیں اس کی کچھ بھی خبر
نہیں مگر یہی گمان کی پیروی۔ اور بے شک
انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے
اپنی طرف اٹھا لیا۔"

(۴/۱۵۷-۱۵۸)

غور کرنے کا مقام ہے حضرت عیسیٰؑ بالجسم اٹھا لئے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج بالجسم کو خدائے تعالیٰ کے دستِ قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔

سوال ۷:۔ خیر اور شر جب اللہ ہی کی طرف سے ہے تو بندہ موردِ الزام کیوں۔؟

جواب:۔ خیر اور شر کے معاملے میں اکثر لوگوں کا یہ مغالطہ ہے، چونکہ شر اور خیر اللہ کی طرف سے ہے تو معاذ اللہ ہم سے جو برائیاں سرزد ہوتی ہیں اس کے ذمہ دار ہم کس طرح ہو سکتے ہیں۔ خواہ مخواہ غلط توجیہہ کر کے مسلمان کو ایمان جیسی عظیم دولت برباد نہ کرنا چاہیئے ذرا اس مثال پر تو غور فرمائیں۔ ایک باغبان دو قسم کے پھل اگاتا ہے جس میں ایک کڑوا اور دوسرا میٹھا۔ اب باغبان آپ کے سامنے دونوں پھلوں کو رکھتے ہوئے ان کی خاصیت اور کھانے کے نفع یا نقصان کے متعلق ہونے والی تمام تشریح کر دیتا ہے گویا وہ یہ سب بتا کر آپ کو اختیار دیتا ہے کہ اس میں سے جو پھل بھی آپ چاہیں کھا سکتے ہیں کیا معمولی سی بھی عقل رکھنے والا انسان کڑوا پھل

کھا کر باغبان کو موردِ الزام ٹھہرائے گا؟

اب ذرا ان مندرجہ ذیل آیات پر غور کریں رب فرماتے ہیں:۔

ترجمہ(۱)" اور قسم اس جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔"

تشریح:۔ (یعنی قوائے کثیرہ عطا فرمائے نطق، سمع، بصر فکر خیال فہم سب کچھ عطا فرمایا)

ترجمہ(۲)" پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دل میں ڈالی۔"

تشریح:۔ (یعنی خیر و شر، طاعت و معصیت سے اسے باخبر کر دیا اور نیک و بد بتا دیا)

ترجمہ(۳)" تحقیق مراد کو پہنچا جس نے (نفس) کو ستھرا کیا۔"

ترجمہ(۴)" اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔"

(۹۱/۷ تا ۱۰)

اب سوال یہ ہے کہ انسان میں نفسیاتی قوتیں کیوں رکھی گئیں اور ہم ان کی طرف کیوں مائل ہو جاتے ہیں۔؟

اصل میں جب تک تضاد نہیں ہوتا انسان علم سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ جہالت نہ ہوتی تو علم کو کیسے جانتے۔ رات نہ ہوتی تو دن کو کیسے پہچانتے۔ لہٰذا اس دنیا میں تضاد ہے اور تضاد کی وجہ سے ہی تناسب ہے۔ اگر آپ کا نفس نہ

ہوتا تو آپ کو اس کو روکنے کا کیا اجر ملتا اور آپ کی کارکردگی کیا ہوتی۔ نفس ہے اس کے سامنے ایک نیک خواہش ہے۔ ان دونوں میں مقابلہ موازنہ ہوتا ہے جس کا نام ہے "مجاہدہ" اگر آپ نے بُری خواہش کو نیک خواہش سے دبا لیا تو آپ مجاہد ہوتے اور اگر ہار گئے تو نفس کا شکار ہو گئے۔ یہ عین فطرت ہے ورنہ انسان کو فرشتوں سے فضیلت کیسے ہوتی۔ فرشتوں میں یہ چیز نہیں ہے لہٰذا ان کو جو اللہ نے بتا دیا وہ کر رہے ہیں۔ ہمیں انسان بنایا ہمیں، یہ جذبات عطا کئے اور یہ تضاد جذبات رکھنے کے بعد ہمیں ان تمام کی بیلنس شیٹ (BALANCE SHEET) بناتی یا یوں کہیے یہ تمام تضاد جذبات متوازن رکھنے اور بروئے کار لانے کے لئے طریقہ کار بتائے کہ دیکھو ان کے یہ یہ اکاؤنٹ ہیڈ (ACCOUNT HEAD) ہیں یعنی یہ یہ استعمال کرنے کے موقع اور مقامات ہیں۔ غصہ آپ کے اندر رکھا تو بتایا اس کو اس جگہ خرچ کرو، اگر غصہ اللہ نہ رکھتا تو آپ اپنا دفاع نہ کر سکتے انتظام نہ ہوتا غیرت نہ ہوتی۔ ہاں اگر آپ اس کا بے جا استعمال کریں گے تو یہی جذبہ آپ پر غالب ہو گا اور غضبناک آدمی کے نام سے منسوب ہو جائیں گے۔

آپ کے اندر ظلم رکھا اس لئے نہیں رکھا کہ آپ لوگوں کو

مارنے پھریں، اس کا ایک ہی جگہ استعمال ہے یہ کہ کسی ظالم سے آپ قصاص لے لو۔ اگر ظلم اندر نہ ہوتا تو مجرم کی گردن نہ مارتے، پھانسی نہ چڑھتے۔ اگر آپ اس جذبے کا زائد استعمال کریں گے تو ظالم کہلائے جائیں گے۔ اب شہوت ہے بقائے نسلی کے لئے اگر اس کا غلط استعمال ہوگا تو بدمعاش کہلائیں گے۔ اسی طرح لالچ ہے، حسد ہے، کینہ ہے تو ان کے سامنے بے لوثی ہے خلوص ہے محبت ہے۔ رب نے یہ تضاد جذبات رکھے اور ہر ایک کا مقام اور تعین بتایا کہ ان جذبات کو اس جگہ اور اتنا اتنا استعمال کرنا ہے، تو غور فرمائیے اللہ نے اس وجود میں یہ تضاد جذبات رکھ کر بڑا انعام دیا ہے اس واسطے کہ یہ زہر بھی رکھا ہے اور اس میں تریاق بھی اور زہر میں بھی کچھ علاج رکھا ہے اس کے یہ راز ہیں اور اس نے یہ راز اپنے بندوں کو بتائے ہیں، اور بندے ان سے مستفیض ہوتے ہیں۔

اب انسان شر کی طرف کیوں مائل ہوتا ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں۔ کوئی عذر دلیل نہیں۔ آپ کے اندر ایک خواہش ہے اور اس کی جستجو ہے۔ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے کچھ تقاضے اور ذرائع ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ کو پیسے چاہئیں تو اس کے لئے یہ ذرائع ہیں، کہ آپ کھیتی باڑی کریں، نوکری کریں، کاروبار کریں یا پھر چوری کریں۔ رشوت لیں

کیونکہ آپ کو تو اپنی ضرورت پوری کرنی ہے۔

دراصل انسان میں کچھ سہل نگاری ہے کچھ سست بھی ہے اور کاہل بھی، جاہل اور جذباتی بھی۔ اس نے سوچا چوری کرنا اور رشوت لینا بہت آسان ہے تو اس نے یہ غلط ذریعہ استعمال کیا۔

اللہ نے آپ کو علم دیا، کتابیں دیں، قرآن دیا اور پھر ایسے لوگ دیئے جن کی صحبت سے آپ اس کو سمجھیں۔ اب اس کے باوجود آپ نہیں مانتے تو اپنے اوپر ہی ظلم کرتے ہیں مزید یہ کہ جس کا اس وجود پر بھی غلط ردِ عمل ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے یہ جو مشین بشکل جسم عطا فرمائی ہے اتنی حساس ہے، کوئی بھی غیر شرعی یا غیر فطری کام سے یہ مشین ALARM (الارم) دیتی ہے یا یوں کہیئے متنبہ کرتی ہے۔ یعنی آپ کے دل کی دھڑکن غیر معمولی ہو جاتی ہے حرکات و سکنات میں تبدیلی آجاتی ہے غرض یہ کہ ہر جرم اس وجود پر اپنی خاص علامتیں مرتب کرتا ہے جن سے ایک مجرم پہچان لیا جاتا ہے۔

آئیے ذرا تقدیر اور تدبیر کے مسئلے پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔ انسان مجبور ہے محض، ایسا نہیں ہے، انسان کو ایک حد تک اس کے اعمال کا اختیار دیا گیا ہے جس پر جزا اور سزا ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال

ہے جو کچھ ہمارے مقدر میں طے ہو چکا ہے وہی تو ہم سے سرزد ہو گا جبکہ رب فرماتے ہیں :۔

ترجمہ :۔ "میں ہدایت اسی کو دیتا ہوں جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔" (۹۳/۲۷)

بندے کا اللہ اور اس کے احکامات سے فرار نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ عجیب بھی۔ جب آپ نے یہ طے کر لیا کہ میرے مقدر میں جو کچھ طے پا چکا ہے وہی کچھ تو ہو گا اس لئے خدا کی راہ سے بھٹکنا میرا مقسوم ہے اور میں کس طرح نیکوکار بن سکتا ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو آپ دن بھر روزی کی تلاش میں سرگرداں کیوں ہوتے ہیں آپ کو تو گھر پر بیٹھ کر اپنے مقدر پر شاکر ہونا چاہیئے غور کیجیئے اللہ کو اس کائنات کی ارتقاء منظور تھی اس اسباب و علل کی دنیا میں ہمیں کچھ عادات اور فطری تقاضوں کا بھی خیال رکھنا ہے جن پر کہ ہمارے علم کا مدار ہے اسی سے ارتقائے کائنات ہے اور حرکت ہے۔ جو کچھ ہمارے علم و اختیار میں ہے ہمیں اس کو سمجھنا اور عملاً بجا لانا چاہیئے۔ درصورتِ دیگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری سے گریز ہے جو کہ بے حد کمزور استدلال کے ساتھ صرف کہنے کی حد تک محدود ہے ورنہ سیدھی سی بات ہے تدبیر

تمہاری امکانی کوششوں کے ساتھ ہے اور نتیجۃً تدبیر اللہ تبارک تعالیٰ جو سب کچھ جانتے ہیں ان کے دستِ قدرت میں جس کو آپ تقدیر کہہ لیں۔

قرآنِ حکیم میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

"اور جو کچھ تم کو مصیبت پہنچی ہے وہ تمہارے فعلوں کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔" (۴۲/۳۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

ترجمہ :۔ "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں" (۱۳/۱۱)

اب ذرا غور کیجیئے ہر گناہ کی سزا کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح ہدایات دیں کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ سزا ملے گی گویا ارتکابِ جرم کے بعد سزا تمہارا مقدر بن گئی لیکن قربان جائیے اس غفور رحیم کی نوازشات اور اکرام کے فرماتے ہیں۔

ترجمہ :۔ "اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔" (۱۳/۳۹)

یعنی توبہ کرنے سے بندے کے گناہوں سے اللہ جو چاہتا ہے مغفرت فرما کر مٹا دیتا ہے۔ اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کسی نہج پر ایک مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور جیسا کہ بوجہ جرم اس تکلیف کو اس مصیبت زدہ پر نزول فرماتا ہے تو جب ادھر سے دعا ہوتی ہے وہ اُوپر کی طرف جا کر اس مصیبت کو رفع کر دیتی ہے یہی اس کی بخشش و عطا ہے جس کا وعدہ بھی ہے "یعنی مانگو میں دوں گا"

ہمیں چاہیئے مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں ایسے فضول خیالات کو جگہ نہ دیں اور ایک اچھے مسلمان کی طرح اللہ سے توبہ کریں ندامت کے آنسو بہائیں تاکہ اس قسم کے خیالات سے جو ہمیں تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے اور شیطان کے شر سے جو ایسے فاسد سوچ ہمارے دلوں میں ڈال کر ذاتِ باری تعالیٰ سے ہمارا معاملہ خراب کر کے دنیا و آخرت کی رسوائی کا بندوبست کرتا ہے۔ یہ ہمارا ازلی اور جانی دشمن ہے۔

دیکھیئے اللہ تعالیٰ نے شیطان ضرور پیدا کیا لیکن یہ بھی بتایا کہ اس کے مکر و فریب سے کس طرح بچو۔ اور وہ تمام صلاحیتیں ہم میں رکھیں۔ علم و فہم سے مستفیض کیا۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنا جائزہ لیں۔ خود کو سمجھیں ہمیں پتہ چل جائے گا ہم ہی قصوروار ہیں۔ درصورتِ دیگر

رب فرماتے ہیں:-

"اے انکار کرنے والو! آج بہانے نہ بناؤ تمھیں وہی ملے گا جو تم کرتے تھے"۔ (۶۶/۷)

"اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا تم کو بدلہ ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے"

(۳۶/۵۴)

سوال ۸:۔ موت کے بعد اجسام کی حالت ہے

جواب:۔ موت کے بعد اجسام دو مختلف حالات سے گزرتے ہیں ۔
انبیاء، شہداء اور اللہ کے تمام ولیوں کے اجسامِ مبارکہ کو زمین کسی
قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتی جس کے شواہد لاتعداد ہیں مِن جملہ ان میں سے
ایک مندرجہ ذیل تحریر کیا جاتا ہے:۔

منتقلی مزارات کا واقعہ

جرمن ڈاکٹر کا متاثر ہو کر اسلام قبول کرنا۔

۱۹۳۲ء میں شاہ عراق ملک فیصل اوّل کو خواب میں حضرت
حذیفہ الیمانیؓ جلیل القدر اصحابی نے فرمایا حضرت جابر بن عبداللہؓ اور
مجھے موجودہ مزارات سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے کچھ فاصلے
پر دفن کر دو کیونکہ میرے مزار میں پانی اور جابرؓ کے مزار میں نمی آگئی
ہے شاہ فیصل نے یہ خواب مسلسل دو رات دیکھا لیکن بوجہ مصروفیت

امورِ مملکت کوئی خاص توجہ نہ دی۔ تیسری شب حضرتِ موصوف نے
مفتیٔ اعظم عراق کو ہدایت فرمائی، ہم شاہِ عراق سے دو مرتبہ کہہ چکے
ہیں ہمارے مزارات یہاں سے منتقل کر دو مگر شاہ نے توجہ نہ دی تم
شاہ کو تاکید کر دو وہ منتقلیٔ مزارات کا انتظام کر دے۔"

صبح کو مفتیٔ اعظم نوری السعید وزیرِ اعظم عراق کے پاس
تشریف لے گئے اور خواب بیان کیا۔ وزیرِ اعظم مرحوم اور مفتیٔ اعظم
عراق دونوں شاہ کی خدمت میں باریاب ہوتے اور خواب بیان کر
کے منتقلیٔ مزارات کی درخواست بیان کی شاہ نے بھی اس خواب کی
تائید کی۔ باہمی مشورہ اور غور و فکر کے بعد طے پایا مفتیٔ اعظم منتقلیٔ
مزارات کا فتویٰ دیں اور فتوے کے ساتھ شاہی فرمان منسلک
کر کے اخبارات میں اشاعت کے لئے وزیرِ اعظم کو دے دیں۔

چنانچہ اس پر فوراً عمل کیا گیا۔ اعلان تھا دس ذالحجہ کے
بعد نماز ظہر دونوں اصحابِ رسولؐ کے مزارات کھول کر دونوں حضرات
کو کسی مناسب جگہ دفن کیا جائے گا اس اعلان کی اشاعت کے بعد
تمام عالمِ اسلامی میں یہ خبر نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی گئی۔ چونکہ
حج کا زمانہ قریب تھا دنیا کے مسلمان حرمین الشریفین میں جمع تھے۔
سب نے بذریعہ تار شاہ عراق سے درخواست کی کہ مزارات حج

کے بعد کسی قریبی تاریخ میں منتقل کیے جائیں تاکہ ہم بھی شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اسی طرح اطرافِ عالم ہندوستان، ترکی، مصر، افریقہ، ایران، شام اور بلغاریہ وغیرہ سے تاروں کی یلغار شروع ہو گئی اور تاریخ میں توسیع کی درخواست کی گئی۔

مسلمانانِ اسلام کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دوسرا فرمانِ شاہی جاری کیا گیا کہ اب یہ مبارک کام حج کے دس یوم کے بعد کیا جائے گا۔

بغداد سے تقریباً ۴۰، چالیس میل دور ایک تاریخی مقام مدائن ہے جس کو اب سلمان پاک کہتے ہیں یہاں اکثر جلیل القدر صحابہ گورنری کے عہدے پر سرفراز رہے ہیں یہاں مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار بھی ہے۔

اطرافِ عالم سے مسلمان اور غیر مسلم کثیر تعداد میں بغداد پہنچ گئے تمام دنیا کے اخباری نمائندے فوٹو گرافر، سفیر اور مشہور سیاح، مؤرخ، شاہ عراق اور وزیرِ اعظم، مفتیٔ اعظم، امراء، صلحاء عمائدین عراق دوشنبہ کو دوپہر کے وقت یہاں جمع ہو چکے تھے۔

پہلے حضرت حذیفہ الیمانی کے جسدِ مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اٹھایا گیا کہ کرین پر لگے ہوئے اسٹریچر پر جسدِ مبارک

خود بخود آ گیا اس کے بعد کرین سے اسٹریچر الگ کر کے شاہ فیصل، مفتیٔ اعظم، وزراء ترکی، ولی عہدِ مصر شہزادہ فاروق نے کاندھوں پر اسٹریچر رکھ کے تابوت تک لائے جو شیشہ کا بنا ہوا پہلے سے تیار تھا۔ تابوت میں جسدِ مبارک رکھ دیا گیا۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ کے جسدِ مبارک کو بھی مزار سے نکال کر بالاحترام بلوری تابوت میں رکھ دیا گیا۔

دونوں حضرات کے جسم بالکل تر و تازہ تھے ایسا معلوم ہوتا تھا یہ حضرات ابھی زندہ ہیں۔ آنکھیں کھلی ہوتی تھیں جن سے نوری شعاعیں نکل کر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھیں کفن بھی بالکل تازہ تھے۔

یہ کرشمۂ قدرت دیکھ کر بڑے بڑے ڈاکٹرز، سائنس دان، انگشت بدنداں تھے۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک ایک جرمن ماہر چشم اس کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا وہ اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً مفتیٔ اعظم عراق کے پاس آیا اور ہاتھ پکڑ کر کہا اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں آپ مجھے تلقین کریں۔

لاکھوں انسانوں کے سامنے یہ ڈاکٹر مسلمان ہو گیا۔ اس کے

بعد ہزاروں یہودیوں، نصرانیوں نے جوق در جوق بغداد میں آکر مع اپنے خاندانی افراد کے اسلام قبول کیا اور یہ سلسلہ بغداد میں عرصہ تک چلتا رہا۔

اب آئیے دوسری قسم کے اجسام کی حالت جن کو زمانے کی شکست و ریخت نے منتشر کر دیا۔ اور وہ کبھی کبھی ہمارے مشاہدے سے بھی گذرتے ہیں لامحالہ ان کو دیکھنے کے بعد ہمارے اذہان میں مختلف سوالات ابھرنے لگتے ہیں مثلاً کسی پڑے ہوئے انسانی کاسۂ سر پر نظر پڑتے ہی سوال اٹھتا ہے یہ کاسۂ سر کس کا ہے؟

کون ہو گا یہ؟

کیا حال ہو گیا ہے اس انسان کا۔؟

کیا یہ دیدۂ عبرت ہے اور کسی عذاب سے گزر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا ہر فعل اور ہر حکم کسی نہ کسی معنیٰ کا حامل ہوتا ہے۔ انسانی عقل کے مطابق اللہ تبارک تعالیٰ اس کی تشریح فرما دیتے ہیں جس کی وہ ضرورت سمجھیں اور بعض امور تشنہ چھوڑ دیتے ہیں جن کے رازہائے سربستہ کا عرفان جس کو چاہتا ہے اللہ عطا فرماتا ہے۔

اب دوسری قسم کے اجسام کے ساتھ متذکرہ بالا حالات کے متعلق ایک واضح مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ دیکھتے ہیں اس دنیا میں ایک شخص ایئر کنڈیشنڈ میں زندگی گزار رہا ہے دوسرا شخص موسم کی سختیاں برداشت کر رہا ہے۔ ایک شخص دونوں آنکھوں سے معذور ہے اور دوسرا شخص چشمِ بینا رکھتے ہوئے مظاہراتِ قدرت کا مشاہدہ اور نظارہ کرتے ہوئے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ایک شخص ایک ہاتھ سے معذور ہے تو کوئی ایک پیر سے معذور ہے، ایک شخص سماعت رکھتا ہے ایک شخص سماعت سے لاچار ہے، ایک شخص ذائقہ محسوس کرتا ہے تو ایک شخص اس احساس سے محروم ہے۔ دوسری صورت میں ایک پیدائشی صحت مند اور ایک پیدائشی اپاہج اور ان کی بھی مختلف صورتیں اور حالات ہیں۔ کسی کی آنکھ ہی نہیں ہے اور کوئی ہاتھ پیر سے محروم غرض یہ ہر ایک کے ساتھ مختلف حالات اور صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کلیہ یہ ہے جب تک تضاد نہ ہو گا انسان علم سے بہرہ ور نہ ہو سکے گا اگر رات کے مقابلے میں دن نہ ہوتا تو روشنی کو کون جانتا اگر نیکی کے سامنے بدی نہ ہوتی تو نیکی کی کیا قیمت ہوتی۔ اسی طور اگر تمہارے دو ہاتھ ہیں اور دوسرا ایک ہاتھ رکھتا ہے تو

معذوری کو تم کس طور سے سمجھ سکتے ہو۔ مختصراً یہ تمام رب کے انتظامات اور اقدامات ہیں۔ کچھ کا علم ہمیں دیا باقی کا سب وہی رکھتا ہے اور وہی جانتا ہے۔

ویسے ایک بات میں آپ سے دریافت کروں گا اگر کسی کا ہاتھ کہیں کٹا ہوا پڑا ہے تو آپ اسے انسان تو نہیں کہتے، اب ذرا یوں سمجھیں کسی ایک عضوِ انسانی کا نام انسان تو نہیں۔ اگر کسی کا ایک ہاتھ کاٹ دیں پھر بھی وہ انسان رہے گا۔ آنکھیں ضائع ہو جائیں پھر بھی وہ انسان ہے، ناک کاٹ دیں یا دونوں کان کاٹ دیں پھر بھی وہ انسان ہے۔ ثابت ہوا اس تن میں جو جان ہے وہ انسان ہے اور جب تک جان کا رشتہ جسم سے رہتا ہے وہ انسان ہے اور روح کی پرواز کے بعد صرف لاش ہے۔ اب وہ کاسۂ سر جو پڑا ہوا دیکھا اس کو آپ انسان سے منسوب کریں گے لیکن کاسۂ سر انسان نہیں ہے۔

پہلی قسم کے اجسام کے لئے رب نے جو وعدے فرمائے ہیں کہ انبیاء، شہداء، اولیاء، اور صالحین کے اجسام کو زمین گزند نہیں پہنچا سکتی، دوسری قسم کے لئے ایسا کوئی قائدہ نہیں ہے اب اگر دوسری قسم نہ ہوتی تو مذکورہ وعدے کے ایفاء کا مشاہدہ

کس طرح ہوتا، ہر حالت میں چاہے حالتِ اوّل ہو خواہ حالتِ دوئم انسان تو انسان ہے۔ کیونکہ جسم ہم سے وابستہ ہے ہم جسم سے نہیں۔ اب اس پڑے ہوتے کاسۂ سر کو دیکھ کر جس قسم کے سوالات ابھرے ہوں ان کا یہی جواب ہے۔

گویا حالتِ اوّل ان لوگوں کی ہے جنھوں نے وہ مقام حاصل کیا کہ جہاں زمانے کی شکست و ریخت اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ جیسا عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ اس مثالی دنیا میں ایک ایئر کنڈیشنڈ میں رہ کر موسم کے حوادث سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اور حالتِ دوئم ان لوگوں کے اجسام کی ہے جو زمانے کی شکست و ریخت سے گھائل ہیں اور دیدۂ عبرت ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے قیامت سے قبل وجوکہ انصاف کا دن ہوگا، یعنی سزا و جزا کے فیصلے سے پہلے عذاب قبر کا شروع ہو جانا بعید از انصاف ہے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اور بد روحوں کے حالات سے پہلے ہی واقف ہے اسی لئے مرنے کے بعد ان کے رہنے کے لئے مقامات کا تعین فرما دیا۔ نیز

یہ کہ انسانی ہستی کے دو دور ہیں۔

پہلا دور دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔

اور دوسرا دور آخرت سے۔

پس ابتدائی دور میں یعنی دنیا میں آنے سے پیشتر انسان اپنی ماں کے پیٹ میں تھا اور اس دنیا میں آنے سے قبل ہی اس میں دنیا کی خصوصیات اور کیفیات کے اسباب و آثار نمایاں ہونے لگے مثلاً شکمِ مادر میں حرکت کرنا، دنیا کی ہوا استعمال کرنا، اپنی خوراک کے لئے غذا جذب کرنا، ان باتوں کی تکمیل ابتدائے شکمِ مادر سے کیوں ہوتی اس لئے کہ دنیا میں اس کو چلنا، پھرنا، کھانا پینا سونا جاگنا وغیرہ اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے اس وجہ سے شکمِ مادر ہی میں ایسا انتظامِ قدرت کی طرف سے شروع ہو گیا۔

پس دنیا میں آنے سے پیشتر جس طرح دنیا کی زندگی بسر کرنے کے اسباب اور سامان شکمِ مادر میں مہیّا ہوتے اسی طرح ملک بقا کی ان تمام کیفیات اور حسّیات جن سے بندے کو واسطہ پڑنے والا ہے ان احساسات اور حسّیات کی وسعت کا پانے کا عمل بھی قبر ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور بندے کو عذاب و ثواب کا احساس

ہونا ایسا ہی لازمی قرار پایا جیسا کہ بچّے کو اپنی ماں کے پیٹ میں حسّیات کا ہونا۔

اب اس مثال پر غور فرمائیے اگر ایک بچّے کو باکسر یا پہلوان بنانا مقصود ہوتا ہے تو آپ اس کو ان ضروری لوازمات کے لئے جو اس پیشہ کے لئے ضروری اور لازمی ہیں، مثلاً سخت محنت کرانا، دوڑانا، مار پیٹ کر کے بدن کو مضبوط کرنا غرض یہ کہ تمام وہ مشقتیں جو ایک پہلوان یا باکسر بننے کے لئے ضروری اور لازمی ہیں بغیر کسی رحم و رعایت کے اس میں سے اس کو گزارتے ہیں۔ بظاہر ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اکھاڑے میں یا (RING) رِنگ میں اترنے سے ماقبل یہ تکالیف دینا بڑی زیادتی ہے۔ اور انصاف کے منافی ہے تو بعید از عقل ہو گا۔

پس اسی طرح رب تعالیٰ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں کسی کو اس کی وسعتِ نفس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ مطلب یہ کہ انسان کو عذاب کے ان مدارج سے گزارنے سے قبل اس کو اس بات کے لئے عادی بنایا جاتا ہے۔

رات جاگنے اور سینکڑوں میل کا سفر گرم موسم میں طے کرنے کے سبب اہلِ قافلہ تھک چکے تھے خود شاہ صاحب مدظلہم العالی کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے اہلِ کوٹری سے رخصت طلب کی۔ کوئی نہ چاہتا تھا کہ آپ رخصت ہوں آنکھیں اشکبار تھیں، دل جدائی کے تصور سے فگار۔ لیکن جمعہ کی صبح تھی اور ہر شخص جانتا تھا کہ شاہ صاحب کو جمعہ کی نماز "گجو" میں ادا کرنی ہے قہر درویش بر جانِ درویش اجازت دی۔ شاہ صاحب بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور اپنے پیاروں کو روتا بلکتا اور سسکتا چھوڑ کر آنکھوں میں آنسو لئے رخصت ہوتے۔

گجو میں آکر حالانکہ طبیعت خراب تھی۔ تشنگانِ حق کی پیاس بجھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف مجالس میں جو سوالات اٹھائے گئے ان کی تفصیل یہاں درج ہے۔

سوال ۹: کیا روحیں مرتی ہیں۔؟

جواب: دلائل اور براہین کی روشنی میں میں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ روحیں نہیں مرتیں، بہت سارے پیچیدہ مسائل اس روشنی میں بغیر کسی الجھن کے خود بخود حل ہو جاتے ہیں اور قرآنِ حکیم میں ہے

"اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انھیں
مردہ خیال نہ کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس
زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر
جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا۔"

(۳/۱۶۹)

حالانکہ ان کی روحیں جسموں سے جدا ہو چکی ہیں اور یہ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں سو میں نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔

(۱) منہال بن عمرو سے روایت ہے میں دمشق میں تھا میں نے دیکھا جب امام حسینؓ سے سر مبارک کو دمشق سے روانہ کیا تو ایک شخص سورت کہف تلاوت کر رہا تھا جب اس نے یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ "کیا تو نے خیال کیا اصحب کہف اور رقیم والے
ہماری عجیب نشانیوں سے تھے۔"

تو سر مبارک سے آواز آئی "اعجب من

اصحٰب الکھف قتلی وحملی"

یعنی اصحٰب کہف سے زیادہ تعجب کے قابل میرا قتل

کرنا اور میرے سر کو روانہ کرنا ہے۔ ماخوذ کتاب نور الصدور

امام جلال الدین سیوطی

(۲) عطاء خراسانیؒ سے مروی ہے ثابت بن قیس بن شماس

کی بیٹی نے مجھ سے کہا کہ ثابت یمامہ جس دن مارے گئے ان کے

جسم پر ایک نفیس زرہ تھی ان کے مرنے کے بعد ایک مسلمان ادھر

سے گزرا اور اس نے وہ زرہ اتار لی۔ ایک اور آدمی مسلمانوں میں

سے سو رہا تھا کہ ثابت رحمت اللہ اس کے خواب میں آئے اور کہا

میں تم کو ایک وصیت کرتا ہوں اور دیکھو کہیں ایسا نہ ہو جو کچھ تم

کو وصیت کرتا ہوں تم اس کو ایک خوابِ پریشان کہہ کر ٹال دو،

اس کے بعد فرمایا جب میں مارا گیا تو میرے جسم پر ایک نفیس زرہ

تھی، ایک مسلمان آیا اور اس نے وہ زرہ میرے جسم سے اتار لی،

اس کی منزل آخر کے لوگوں میں ہے اور اس کے خیمے کے پاس

ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے اور اس نے زرہ پر ایک دیگ کو اوندھا

کر کے اس کے اوپر ایک پالانِ شتر رکھ دیا ہے پس تم خالد بن ولیدؓ

کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ زرہ کے لئے آدمی بھیجیں اور

اس شخص سے لے لیں۔ اور تم جب مدینہ منورہ جاؤ تو حضرت ابوبکر

صدیق خلیفۂ رسولؐ سے کہنا کہ مجھ پر اس قدر قرض ہے اور فلاں فلاں

میرے غلاموں میں سے آزاد ہیں۔

اس کے بعد وہ شخص خالد بن ولیدؓ کے پاس آیا اور ان کو اطلاع

دی انھوں نے آدمی بھیج کر زرہ منگوائی۔ پھر اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ

سے خواب کا ماجرا بیان کیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی وصیت

کو جائز رکھا اور اس کا قرض ادا کر دیا۔ ماخوذ حیات بعد الممات

حضرت مولانا فاضل عبد التواب جلالپوری

روایت ہے ایک نیک بڑی بی انتقال فرما گئیں۔ ان کے

پاس کسی عورت کی سات اشرفیاں امانت رکھی ہوئی تھیں وہ عورت

روتی پیٹتی ایک شخص عبداللہ کے پاس آئی اور ان سے اپنا واقعہ بیان

کیا اور بڑی بی کا نام بتا کر چلی گئی۔ دوسرے دن عبداللہ نے بتایا

کہ بڑی بی نے خواب میں مجھے اطلاع دی ہے کہ میرے گھر کی چھت

پر سات لکڑیاں ہیں۔ ساتویں لکڑی کے نیچے ایک اونی کپڑے میں

لپٹے ہوئے دینار رکھے ہیں وہاں سے لے لو۔ ان کی حسبِ ہدایت

دینار وہاں سے مل گئے۔

اس طرح کے کئی واقعات اور مشاہدات ہیں جن سے ارواح جسموں سے جدا ہونے کے بعد زندگی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اور جو حالات و واقعات ان سے وابستہ ہوتے ہیں ان کی اطلاع بھی دیتی ہیں۔

سوال ۱۰۔ اجسام سے جدا ہونے کے بعد روحیں کس طرح پہچانی جاتی ہیں؟

جواب:۔ جیسا کہ پچھلے بیان میں بحوالہ قرآن کریم (آیت نمبر ۴۲ سورۃ زمر پارہ ۲۴) اور حدیثِ پاک کی روشنی میں بتا چکا ہوں "نیند موت کی بہن ہے۔" جب خواب میں آپ کی روحِ سیلانی کسی دوست یا عزیز سے جو مر گیا یا زندہ ہے دور ہے یا قریب اس سے ملتے ہیں وہ آپ کو پہچانتا ہے اور آپ بھی اس کو پہچانتے ہیں۔ بخیر خیریت دریافت کرتے ہیں جو باتیں آپ کرتے ہیں وہ جواب دیتا ہے اور جو کچھ وہ دریافت کرتا ہے آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔ صبح جب یہ خواب آپ کو یاد آتا ہے تو گھر میں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو رات دیکھا اچھی حالت میں ہے اور مجھ سے اس قسم کی گفتگو کی۔ ظاہر ہے آپ کا جسم چارپائی پر محوِ خواب تھا۔ پھر یہ کس طرح اس شخص سے ملاقات کر آیا۔ ثابت ہوا جاگتے میں ہمارا جسم ہماری روح لئے پھرتا

ہے سونے کے بعد ہماری روح ہمارا جسم لئے پھرتی ہے۔ یہی بدن اور روح کے ربط و تاثیر کی قسم ہے جو مرنے کے بعد رہتا ہے اور آدمی مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے ممتاز رہتا ہے روح کو اپنی تو کوئی شکل و صورت نہیں تھی جیسا کہ اس آیت قرآنی سے ظاہر ہے :۔

"پھر اس کو درست کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی" (اقتباس ۳۲/۹)

لیکن اس عالمِ وجود میں آنے کے لئے اس نے ارتقائی منازل طے کیں اور بدن کے ساتھ مل کر حسی صورت اختیار کر کے انفرادیت حاصل کی اور یہی انفرادیت مرنے کے بعد بھی رہتی ہے اور بدن اور روح کا ایسا ربط و تناسب ہے جو قیامت تک رہے گا۔

سوال ۱۱: مرنے کے بعد روحیں ایصالِ ثواب سے مستفیض ہوتی ہیں یا نہیں۔؟

جواب: اصولِ شریعت ہے اگر کوئی شخص صالح اولاد یا صالح شاگرد چھوڑتا ہے، پانی کے لئے کنوئیں تعمیر کراتا ہے، دینی مدارس کا قیام عمل میں لاتا ہے، مسجد تعمیر کراتا ہے تو اُس کو ان کا ثواب مرنے کے بعد جب تک جاری رہتا ہے ملتا ہے اس کو ثواب جاریہ کہتے ہیں حدیثِ رسولؐ ہے :۔

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ کا، دوسرے علم کا جس سے لوگ فائدہ

اٹھائیں۔ تیسرے نیک بخت بچے کا جو اس کے
لئے دعا کرے۔" (حدیث شریف صحیح مسلم شریف نووی)

صدقہ:۔ سعد بن معاذؓ کی والدہ فوت ہوگئیں خود آپ موجود نہ تھے
آپ نے رحمتِ عالم سے پوچھا یارسول اللہ! میری غیر موجودگی میں
میری والدہ فوت ہوگئیں اگر میں اُن کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا
ان کو فائدہ پہنچے گا۔

فرمایا! ہاں

تو کہا! اچھا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں میں نے اپنا باغ
ماں کی طرف سے صدقہ میں دے دیا۔

دیکھئے عبادت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ جس میں نیابت کی گنجائش نہیں مثلاً ذاتی فرائض
جو زندگی تک محدود ہیں۔

دوسری قسم وہ جس میں نیابت کی گنجائش ہے جیسے ادائے
امانت، ادائے قرض، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کیونکہ یہ افعال زندگی میں بھی
دوسروں کی طرف سے کئے جاسکتے ہیں اس لئے اگر کوئی مرنے والے
کی طرف سے نیابت کردے تو مرنے والا ان فرائض سے سبکدوش
ہوجائے گا۔

مزید برآں یہ بات قطعی طور پر آیت قرآنی سے ثابت ہے
کہ مردوں کے حق میں زندوں کا دعا و استغفار کرنا ثواب ہے:۔

"اور جو لوگ ان کے بعد آئے اور وہ دعائیں مانگا
کرتے ہیں اے اللہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں
کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور
جو لوگ مسلمان ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں
میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے۔ اے اللہ تو
بے شک شفقت کرنے والا مہربان ہے۔"

(۵۹/۱۰)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جو شخص قبرستان میں
جائے اور گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے
تو اس کا ثواب مردوں کی گنتی اور عدد کے موافق دیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جناب رسالت
مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر اللہ تعالیٰ کا
یہ بہت بڑا احسان ہے اور اس کی رحمت ہے کہ اگر وہ قبر میں گناہگار
داخل ہوں گے تو مسلمانوں کی دعا۔ و استغفار کی برکت، سے قبروں
سے بے گناہ اٹھیں گے گویا ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(طبرانی)

چنانچہ حضرت ابنِ حنبلؒ فرماتے ہیں جب مقابر میں داخل ہو تو سورۃ فاتحہ اور چاروں قُل پڑھ لیا کرو اور اہلِ قبور کو ان کا ثواب بخش دو کہ یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ (مظاہرِ حق)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہو سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور سورۃ تکاثر پڑھ کر یہ کہے کہ میں نے اس کلام کا ثواب قبرستان کے مومن اور مومنات کے لئے بخشا تو تمام مُردے اس کے لئے اللہ کے پاس شفیع ہوتے ہیں۔ (مظاہرِ حق)

حضرت حجاز مکّی فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مکّے شریف کے قبرستان کی طرف گیا اور وہاں ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا پھر میں نے اہلِ مقابر کو دیکھا وہ حلقہ در حلقہ بیٹھے ہیں میں نے پوچھا۔ کیا قیامت آگئی ہے۔؟

انھوں نے کہا۔ نہیں بلکہ ایک شخص نے ہمارے بھائیوں میں سے قُل ہُو اللہ (سورۃ اخلاص) پڑھ کر ہمیں اس کا ثواب بخشا ہے۔ اس لئے ہم پورے ایک برس سے اس ثواب کو آپس میں بانٹتے ہیں۔ (مظاہرِ حق)

حضرت انسؓ سے روایت ہے جناب رسولؐ نے فرمایا جو

شخص قبرستان میں داخل ہو وہ سورۃ یٰسین پڑھے تو اس سے اللہ تعالیٰ مردوں کے عذاب کو ہلکا کرتا ہے اور اس قبرستان میں جتنے مُردے ہوتے ہیں اتنی ہی نیکیاں پڑھنے والے کے لئے شمار ہوتی ہیں۔

(مظاہرِ حق)

جمہور سلف یعنی صحابہ کرامؓ اور علماءِ عظام امام ابوحنیفہ امام مالک، امام احمد بن حنبل الغرض یہ تمام مقدّس علماء امّت اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن شریف کی تلاوت کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے سلسلے میں اگر ہم غریب و مساکین کو کھلاتے ہیں تو مرنے والے کی رُوح اظہارِ مسرّت کرتی ہے اور سیر ہوتی ہے مثال کے طور پر زندہ آدمی خواب میں اپنے آپ کو بھوکا بھی محسوس کرتا ہے اور کھاتا پیتا بھی پاتا ہے۔ اگرچہ وہ عملاً نہیں کھاتا لیکن کھانے سے لطف اندوز اور سیر ہوتا ہے بس یہی کیفیت اُن مُردوں کی ہوتی ہے جن کے نام پر ہم یہ طعام تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن رائج الوقت یہ جو دعوتیں مرنے والوں کے نام پر کھاتے پیتے لوگوں کو کی جاتی ہیں اسراف ہے اور غلط ہے کیونکہ یہ غربا و مساکین کا استحقاق ہے۔

سوال ۲۱: کیا مرنے کے بعد روحیں دنیا والوں کے حالات کا علم رکھتی ہیں اور ان کے گھروں میں آتی جاتی ہیں۔؟

جواب:۔ روحوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجّین والی اور دوسری قسم وہ متبرّک روحیں جن کا نام علیّین کے رجسٹر میں ہے۔ پھر ان میں بھی مختلف درجات اور طبقات ہیں۔

سجّین والی روحیں عذاب میں مبتلا ہیں انھیں بہت کم ہی فرصت ملتی ہے مثلاً ابولہب کے متعلق روایت ہے اس پر پیر کے دن عذاب ہلکا کیا جاتا ہے کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کی خبر سنانے والی کنیزہ کو آزاد کر دیا تھا جن کا نام حضرت ثویبہؓ تھا۔ لیکن جو راحت والی اور آزاد روحیں ہیں وہ آپس میں ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزرے تھے انھیں یاد کرتی ہیں اور ان واقعات پر بھی گفتگو کرتی ہیں جو دنیا

والوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔

کثیر بن صلت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عثمانؓ جس دن شہید کئے گئے اس دن وہ سو کر بیدار ہوتے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ تم ہمارے پاس آج جمعہ میں آنے والے ہو۔

اسی طرح ابنِ محمدؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ صبح اٹھے اور بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو آج رات خواب میں دیکھا ہے آپؐ فرماتے تھے "اے عثمانؓ تم آج ہمارے پاس روزہ افطار کرنا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے روزہ رکھ لیا اور اسی دن شہید کئے گئے۔

ایک اور روایت ہے محمد بن حزیمؒ فرماتے ہیں جب امام احمد بن حنبلؒ کا انتقال ہوا تو مجھے بہت رنج و قلق ہوا۔ رات کو سویا تو میں نے اُن کو خواب میں دیکھا۔

"میں نے دیکھا کہ وہ بڑے اترا کر چل رہے ہیں
میں نے کہا اے ابو عبداللہ یہ کیسی چال ہے انھوں
نے فرمایا یہ جنّت میں خدّام کی چال ہے۔"
میں نے کہا اللہ نے تمھارے ساتھ کیا کیا۔؟

کہا مجھے بخش دیا اور میرے سر پر تاج رکھا اور مجھے سونے کی دو نعلین (جوتیاں) پہنائیں اور فرمایا اے احمد! یہ بدلا ہے تیرے اس قول کا کہ قرآن میرا کلام ہے پھر فرمایا! اے احمد تو مجھ سے وہ دعائیں مانگ جو تو دنیا میں مجھ سے مانگا کرتا تھا۔

میں نے کہا کہ اے رب، تو ہر شے مجھ کو دے دے۔

فرمایا، میں نے دے دیا۔

میں نے کہا، میں بقدر اِنداءہ لی شیءٌ۔

فرمایا تو نے سچ کہا۔

پھر میں نے کہا تو مجھ سے باز پرس مت کر اور میرے سب گناہ بخش دے۔

فرمایا، میں نے ایسا ہی کیا۔

پھر فرمایا، اے احمد یہ جنّت ہے اور تو اس میں داخل ہو۔

"میں جنّت میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ثفیان ثوریؒ موجود ہیں"

جس طرح مِل جُل کر رہنا دنیا میں پایا جاتا ہے اسی طرح برزخ اور آخرت میں بھی پایا جائے گا۔ ان تینوں گھروں میں انسان اپنے احباب کے ساتھ رہتا ہے۔

ہر روح اپنی رفیق اور ہم مثل عمل والی روح کے ساتھ ملتی جلتی ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح شریف رفیق اعلیٰ میں ہے۔ رب فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: "اور جو اللہ اور اس کے تابعداری کرے گا تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء، صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ (۴/۶۹)

اب دیکھئے وفات کی دو قسمیں ہیں:۔

وفات نیند۔

وفات موت۔

قرآنِ حکیم سے ثابت ہے مرنے والے کی رُوح روک لی جاتی ہے خواہ وہ سوتے مرجائے یا بیداری میں اور زندوں کی روحیں سوتے ہوئے قبض کئے جانے کے بعد ایک وقتِ مقررہ تک واپس اُن کے اجسام میں چھوڑ دی جاتی ہیں۔

زندہ حضرات خواب میں مردوں کو دیکھتے ہیں یہ زندوں اور مردوں کی روحوں کے ملنے کا عام مشاہدہ ہے۔ زندہ حضرات، خواب میں مردوں سے حالات معلوم کرتے ہیں اور مردے نامعلوم

حالات بتاتے ہیں جن کا مستقبل میں بعینہٖ ظہور ہو جاتا ہے اور کبھی ماضی میں بھی ہو چکا ہوتا ہے کبھی مرنے والا زمین میں دفن کردہ مال کا پتہ بتاتا ہے جس کی اس کے سوا کسی کو خبر نہیں تھی۔ اور کبھی اپنے قرض کی اطلاع کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں فلاں شخص کا قرض ہے اور اس کے قرائن بھی بیان کرتا ہے کبھی ایسے عمل کی خبر دیتا ہے جس کی اس کے سوا کسی کو خبر نہیں تھی، کبھی یہ بھی بتاتا ہے کہ ہمارے پاس فلاں شخص فلاں وقت آئے گا اور اس کی یہ بات سچ ہو جاتی ہے۔

اگر آپ کو زیادہ شوق ہے اس بارے میں جاننے کا تو علامہ ابنِ قیمؒ کی کتاب الروح کا تفصیلی مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ بہت سی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔

سوال ۱۳: کیا مرنے کے بعد روحیں دنیا والوں کو نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہیں؟

جواب: قبل اس کے میں اس پر کچھ روشنی ڈالوں کسی بھی امکانی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ کہوں گا کہ سوائے اللہ کے حکم کے کوئی کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن اس اسباب والی دنیا میں یہ روزمرہ کی باتیں ہیں مثلاً جب ہم بیماری سے صحت یابی پاتے ہیں تو ڈاکٹر سے کہتے ہیں آپ کے علاج سے صحت ملی یا فلاں حکیم سے مجھے بڑا فائدہ ہوا۔ اگر ہم غور کریں تو یہ پورے کا پورا شرک ہے کیونکہ سوائے خدا کے نہ کوئی بچا سکتا ہے اور نہ کوئی صحت عطا کر سکتا ہے۔ پھر ایک مسلمان دانستہ یا نادانستہ ایسا کیوں کہتا ہے؟ میں اس کی وضاحت اس طرح کرتا ہوں کہ توکل کی دو قسمیں ہیں۔

ایک توکل بالواسطہ

اس عالم اسباب میں ہمیں توکل بالواسطہ کی تعلیم کچھ اس طرح دی گئی ہے کہ پہلے اونٹ کو کھونٹے سے باندھو پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ لیکن خاصانِ خدا توکل بلا واسطہ پر یقین محکم رکھتے ہیں اور یہ انھی کا مقام ہے ورنہ سوچیے جلی ہوئی روٹی کھانے سے پیٹ میں درد کا شکوہ بھی شرک میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

اس ساری تمہید کے بعد عرض کروں گا کہ اللہ فرماتے ہیں میں نے لوہا پیدا کیا جس میں تمھارے لیے بہت فائدے ہیں۔ بھلا لوہا جو ایک دھات ہے کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے؟ معلوم ہوا حاکم اعلیٰ قادر مطلق وہی رب ہے۔ ہر فائدہ اور نقصان اسی کے دستِ قدرت میں ہے اب وہ چاہے تو کسی کو کسی بھی ذریعے سے اس عالم اسباب میں نفع یا نقصان کا سبب بنا دے اس کی قدرتِ کاملہ سے کوئی چیز خواہ وہ عقل میں آنے والی ہو یا خرق عادت (META PHYSICAL) کسی بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی متحمل ہو سکتی ہے۔

محمد بن عبداللہ مہلبیؒ کا بیان ہے کہ میں نے
خواب میں دیکھا کہ میں ایک چبوترے پر

ہوں اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک
ٹیلہ پر رونق افروز ہیں آپ کے سامنے
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کھڑے ہیں
حضرت عمرؓ نے آپ سے فرمایا۔ یا رسول اللہ!
یہ شخص مجھے اور حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دیتا
ہے۔ آپؐ نے فرمایا ــــ اسے یہاں لاؤ
چنانچہ وہ لایا گیا۔ اس کا نام عمانی تھا اور یہ
شیخین کو گالیاں دینے میں مشہور تھا۔ آپؐ
نے فرمایا اسے لٹاؤ۔ انھوں نے اسے لٹا
دیا۔ پھر فرمایا۔ ذبح کر دو۔ انھوں نے ذبح
کر دیا۔ آخر اس کی چیخوں سے میں جاگ گیا۔
میں نے سوچا عمانی کو جا کر خواب سناؤں شاید
توبہ کرے جب میں اس کے گھر پہنچا تو رونے
کی آواز سنی۔ پوچھا تو معلوم ہوا کل رات کسی
نے عمانی کو اس کی چارپائی پر ذبح کر دیا۔ پھر
میں نے قریب آکر اس کی گردن دیکھی تو کان
سے کان تک سرخ لائن تھی جیسے خون رکا

ہوا ہو۔ اس واقعہ کی تفصیل علامہ ابن قیم نے
کتاب الروح کے صفحہ ۲۰۸ پر لکھی ہے۔

مصنف کتاب حیات بعد الممات حضرت مولانا فاضل
عبدالتواب صاحب جلالپوری فرماتے ہیں۔ میرے ایک دوست
محمد صالح ناصر نے مدینہ میں اقامت اختیار کر لی تھی اور ہر سال حج
کے لیے مکہ معظمہ آتے تھے۔ جب میں حج کو گیا تو میری ان سے
ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے ان کا حال پوچھا۔

فرمایا ابتدا میں بڑی تنگی سے گزر بسر ہوتی تھی۔ کتابت کر کے
گزر اوقات کرتا تھا کہ ایک رات سیدنا حمزہؓ کو خواب میں دیکھا کہ
آپ نے کاغذ پر کچھ لکھا اور کسی کو دیا اور فرمایا۔ یہ محمد صالح کی
روزانہ کی وجہ کفالت ہے اس کو مودی خانہ لے جاؤ اور کہو کہ
اس کو پہنچا دیا کریں۔

محمد صالح کا بیان ہے اس دن سے کتابت کا شغل
موقوف ہے اور غیب سے معاش کا انتظام ہو جاتا ہے اور اچھی
طرح سے گزرتی ہے۔

"ہر علم اللہ ہی کو ہے جو کہ تمام غیبوں کا جاننے
والا ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور

اسی سے مانگتے ہیں"۔

یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ان مباحث کی جن میں کافی
حد تک تشریح کر چکا ہوں گزارش کروں گا ان باتوں کو انا کا مسئلہ
بنا کر آپس میں تفریق ڈالنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

سوال ۱۴۔ اولادِ آدم کا ایک ہی مذہب ہونا چاہیئے تھا۔ مختلف مذاہب اور فرقہ بندی کیوں؟

جواب: حضرت آدم اور حوا مسلمان تھے پھر کیا وجہ ہے اولادِ آدم سینکڑوں فرقوں اور مختلف مذاہب میں تقسیم ہو گئی۔ ہر فرقہ اور مذہب اپنے کو ہی حق پر جانتا ہے۔ تو دیکھیئے قرآن مدلل اور روشن طور پر اللہ کی کتابت ثابت ہے تو پھر عقل کا تقاضہ ہے صرف اس کے احکامات کی تعمیل دل و جان سے کرنے پر لگ جائیں تاکہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ کی تفسیر یعنی فلاح دارین حاصل ہو۔

میں ایک مثال عرض کرنا چاہوں گا یہ عام مشاہدہ ہے آپ کے پالتو جانور آپ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے پرند بھی آپ پالتے ہیں تو وہ بھی آپ کو پہچانتے ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے آپ ایک دوسرے کی زبان تک نہیں

سمجھتے لیکن اپنے مطلب کی باتیں کر لیتے ہیں سمجھ اور سمجھا لیتے ہیں ایسا کیوں؟

چونکہ آپ ان کے ربِّ مجازی ہیں وہ اپنی ضرورتوں کی وجہ سے آپ کے محتاج ہیں۔ بڑی حیرت کی بات یہ ہے آپ کے سوائے کسی کو نہیں مانتے۔ غیر آدمی کو دیکھ کر پالتو کتے بھونک بھونک کر اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ گائے بیل سینگ ہلا ہلا کر دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چڑیاں چوں چوں کے شور بلند کر کے ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔

ہم اشرف المخلوقات اور خلاصۂ کائنات ہیں ہم کو تو ان سے کہیں زیادہ اپنے رب کو پہچاننا چاہیئے اور اس کے سوا غیر کی نفی کرنا چاہیئے۔ اس کے احکامات کی تعمیل کرنا چاہیئے اور اسی سے مانگنا چاہیئے۔ اللہ رب العلمین نے دین اسلام پسند کیا پس ہمیں اسی دین پر چلنا ہے۔

فرقے اور مذاہب کی تقسیم میں انسان کی اپنی سہل انگاری اللہ کے احکامات سے فرار کی کوشش اور شیطان لعین کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ یہ انسان کا ازلی اور جانی دشمن ہے اور نہیں چاہتا کہ انسان صحیح راہ اختیار کرے اور خدا کی طرف متوجہ ہو کر دین و دنیا کی

بھلائیاں سمیٹے ۔ اس لیے کہ اس نے خود رب تعالیٰ کے حکم سے انحرافی کی اور حضرت آدمؑ کو اپنے سے حقیر جان کر سجدہ نہ کیا۔ مزید یہ کہ رب علیم سے استدلال کیا، اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ، میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ اور ہوا سے بنایا اور اسے تو نے مٹی سے بنایا۔

جواب میں رب تعالیٰ نے فرمایا اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۔ کہ تو نے بڑا زبردست تکبر کیا اور تو ہو گیا کافروں سے۔

اب یہاں ایک اور نکتہ میں بتاتا چلوں کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں۔

ایک استکبار نفس سے گناہ ۔

اور دوسرا خواہش نفس سے ۔

استکبارِ نفس کا گناہ کبھی معاف نہ ہو گا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ترجمہ : اللہ یونہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔

تشریح : یعنی اس میں ہدایت قبول کرنے کا کوئی محل باقی نہیں رہتا (۳۵/۴۴)

خواہش نفس کے گناہ کی توبہ بھی ہے اور معافی بھی۔ شیطان کا گناہ استکبارِ نفس سے تھا وہ کبھی معاف نہیں ہو گا۔ کسی انسان کو بھی تکبر زیبا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور سے فرما دیا، تکبر میری چادر ہے اور جو تکبر کرتا ہے گویا میری چادر کھینچتا ہے۔ یہ فعل اللہ کا سخت ناپسندیدہ ہے اور اس کی نہ توبہ ہے اور نہ معافی چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تو نے بڑا تکبر کیا تو یہ گناہ اس کا قابل معافی رہا ہی نہیں۔ اب اللہ نے جب اسے نکال دیا تو کہنے لگا میں نے تیری اتنی عبادت کی اور تابعداری کی تو منصف اور عادل ہے۔ اب فیصلہ کر مجھے اس کا معاوضہ کیا دے گا تو رب نے فرمایا

جو چاہتا ہے مانگ۔

تو اس نے کہا۔

تو مجھے قیامت تک نہ مار یو۔

فرمایا منظور ہے۔

کہا کہ میں انسان کے خون میں سرایت کر جاؤں

فرمایا منظور ہے۔

کہا ہر انسان کے ساتھ میرا ایک چیلہ ہو۔

فرمایا منظور ہے۔

پھر بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا میں آدم کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوا ہوں۔ میں بھی اس کی رسوائی اور بربادی کا سامان کروں گا۔ اب میں دیکھتا ہوں کونسا تیرا بندہ ہے جس کو میں نہ بہکاؤں اور تیری راہ سے نہ ہٹاؤں۔

"اللہ نے فرمایا تو میرے نیک بندوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔" مفسرین نے لکھا ہے اس نے کہا کہ میں:۔

عابد کو عبادت میں ماروں گا!

حکیم کو حکمت میں ماروں گا!

فلسفی کو فلسفہ میں ماروں گا!

پرہیزگار کو پرہیزگاری میں ماروں گا!

ایماندار کو ایمانداری میں ماروں گا!

یعنی ہر اس جگہ پر جہاں تک میری دسترس ہے میں انسان کو بہکاؤں گا اور تجھ سے خراب کروں گا۔

جب اس نے ایسا کہا تو خدائے کریم نے ایک ہی بات فرمائی، جا میرے غضب پر میری رحمت سبقت لے جائے گی کہ جب میرا بندہ میری طرف رجوع کرے گا۔

تب یہ کمر پکڑ کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا اب تو میرے لیے یہ سب بیکار ہے۔

یہی وجہ ہے جب بندہ اللہ کے حکم کے خلاف کرتا ہے اور وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے جو اس نے وعدہ کیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے جائے گی تو رب تعالیٰ بندے کو معاف فرماتا ہے اور مزید یہ کہ انعام بھی دیتا ہے یعنی ایسے انتظامات کرتا ہے جس سے بندہ اس کی طرف متوجہ ہو کر رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللہ نے انسان کو اپنی راہ دکھانے کے لیے ہادی مبعوث فرمائے جو وہ احکامات لائے جن سے ربِ کریم کی رضا حاصل ہو۔ رب العٰلمین نے سب سے بڑی کرم نوازی اس امت پر کی کہ رحمت العٰلمین کو مبعوث فرما کر اس امت پر اپنے دین کو تمام کیا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلمتوں کی تاریکیوں کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دور کر دیا اور اپنی امت کو شیطان کے تمام حیلوں اور مکر و فریب سے آگاہ کیا اور اپنے نورِ نبوت سے حق و باطل کو الگ الگ کر دکھایا۔

پھر رب فرماتے ہیں

ترجمہ: "اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے رب

کی آیتوں سے نصیحت کی گئی۔ پھر اس نے ان
سے منہ پھیر لیا بیشک ہم مجرموں سے بدلہ
لینے والے ہیں۔" (۳۲/۲۲)

خدائے کریم قرآن حکیم میں جگہ جگہ دوسری قوموں کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں۔ انھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لے لی۔ اسی شیطان کے بہکانے پر سو تم اس سے بچو۔ اس کے بہکانے میں نہ آؤ یہ تمھیں گروہ گروہ کردے گا اس طرح یہ لعین تمھیں رسوا اور برباد کردے گا یہ تمھارا کھلا دشمن ہے، تم میری عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

مثال کے طور پر جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی پر دیکھا کہ قوم کو شیطان نے گائے کی پوجا شروع کرادی ہے اگرچہ اس سلسلے میں حضرت ہارون سے سخت بازپرس کی لیکن حضرت ہارون نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ یہی گائے کے پجاری آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح جتنے پیغمبر اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے وہ لوگ ہمیشہ دو گروہوں میں بٹتے چلے آتے ہیں۔

ایک ایمان لانے والے
دوسرے تکذیب کرنے والے۔

مختصراً رب تعالیٰ کے احکامات میں اپنی سہل انگاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت میں ردوبدل کرکے اپنی مرضی کے مطابق تعریف کرتے چلے آتے ہیں یہی باتیں مختلف فرقوں اور مذاہب جنم دینے کا سبب ہیں۔

اگرچہ ہر بچہ دین فطرت پر یعنی مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے لیکن جس گھر میں پیدا ہوتا ہے اور جو رسم و رواج اور عقائد دیکھتا ہے اختیار کرلیتا ہے اس کے بعد جب سن شعور کو پہنچتا ہے تو خود اپنے آپ کو خراب کرتا ہے یعنی فطرت صالح لے کر چلا تھا کچھ ماحول نے خراب کیا کچھ خود خراب ہوا۔ اب دیکھیے رب کی رحیمی، سن شعور تک عقیدے کے سلسلے میں کوئی بازپرس نہیں۔ پھر یہ بھی اللہ کا ذمہ ہے۔ وہ اپنے ہر بندے کو پہچانتا ہے کہ حق کیا ہے، ناحق کیا ہے، جھوٹ کیا ہے سچ کیا ہے، بے ایمانی کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ سو جب انسان بالغ ہو جاتا ہے اور یہ سب عقل بھی رکھتا ہے کہ صحیح کیا ہے غلط کیا ہے میں اپنا مستقبل کس طرح بناؤں۔ کیا کاروبار کروں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے سوچ جب اس میں آتے ہیں تو دین کا سوچ بھی ضروری اور لازم ہے۔ اس کے لیے اسی وقت سے سزا و جزا ہے۔

غور کریں — اللہ سے کوئی بھی بہانہ یا EXCUSE نہ کر سکے گا۔ اللہ فرمائے گا میں نے تجھے عقل دی۔ فہم دیا۔ اپنی معرفت کے لیے علم کو اس ساری کائنات میں پھیلا دیا پھر تجھے مشاہدہ کی صلاحیت بخشی تیری مجھ کے مطابق اس عالم مثال میں مثالیں قائم کیں تو تو نے کیوں نہ غور و فکر کیا۔ تبھی میں عرض کرتا ہوں یہ ساری کائنات مشاہدہ قرآن ہے اور انسان صاحبِ قرآن ہے۔

وہ طالبانِ حق اور جویانِ حق مَنْ جَدَّ فَوَجَدَ کے مصداق جس نے کوشش کی اس نے پایا یعنی صحیح راستہ اختیار کیا تو تو اپنے اپنے طور پر عرفانِ رب سے بھی مستفیض ہوتے۔ کیونکہ رب کا ارشاد ہے:۔

جو میری طرف رجوع کرتا ہے میں اسی کو
ہدایت کرتا ہوں اور ہدایت یہی ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید
(مشک تو خود اپنے آپ کو بتاتا ہے نہ کہ عطار)

دیکھیے یہ جسم و جان دونوں آپ کے ہیں جسم کی غذا یہ کھانا ہے اور روح کی غذا عبادت۔

اگر آپ کو صحیح غذا نہ ملے تو آپ کا جسم متاثر ہوتا ہے اور

اپنی بقاء کے لیے آپ ایسا کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح جب روح کو صحیح عبادت ملتی ہے تو وہ سیراب ہوتی ہے اور انسان کو عبادت میں لطف آتا ہے اور وہ عبادت کی سرور و کیفیات سے مستفیض ہوتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یہ سبق ملا ہم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور آپس میں افتراق نہ ڈالیں۔ سرکار کی تعلیمات کو ہم پس پشت ڈال کر مذہب کو ایک کاروبار سمجھتے ہوئے مختلف دکانیں سجا کر بیٹھ گئے۔ نتیجہ ظاہر ہے افتراق پر نکلا۔ میں یہ نہیں کہوں گا تمام اچھے صاحبِ باطن لوگ اس دنیا سے اٹھ گئے مگر ہاں میں یہ کہنے پر مجبور ہوں۔ نایاب نہ سہی مگر کمیاب ضرور ہیں۔

اس مشینی دور میں جبکہ انسان کسبِ معاش میں صبح سے شام تک سرگرداں ہے اس کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ انھیں تلاش کرے۔ پس چہ باید کرد۔ ایسے طالبانِ حق کو میرا مشورہ ہے وہ صدق مقال اور رزق حلال کا بندوبست کریں۔ نماز باجماعت کی پابندی کریں۔ حقوق العباد کا خصوصی خیال رکھیں۔ اگر ہو سکے تو تہجد کی نماز شروع کر دیں اور رب تعالیٰ سے ہدایت طلب کریں۔ میرا ایمان ہے اللہ تبارک تعالیٰ ان کا دامن مرادِ گوہرِ مقصود سے بھر دے گا۔

سوال: ہم اللہ کو کیسے راضی کریں؟

جواب: پچھلے اوراق میں دلائل اور براھین کی روشنی میں آپ کم از کم اس بات پر متفق ہونگے کہ ہمیں اللہ کو ضرور ماننا چاہیئے۔ درصورت دیگر دنیا و آخرت میں سوائے نقصان کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا لہٰذا عقل کا تقاضہ ہے جب ہم کسی ہستی کو کارساز مطلق تسلیم کرلیں تو پھر ایسے ذرائع اور اسباب کی تلاش ضروری ہو جاتی ہے جن سے ہم اس کو راضی اور خوش کریں جس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔

تو آیئے اب میں آپ کو وہ ذرائع اور اسباب بتادوں جن سے ہمارا خالق ہم سے راضی ہو جائے تو دیکھیئے انسانوں پر اللہ نے حقوق کی کچھ اس طرح تقسیم کی ہے کہ وہ آپ کی روزمرہ زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کئے ہوتے ہیں مثلاً۔

حق اللہ

حق العباد۔

حق اللہ یعنی (۱) خود اپنی ہستی سے اور کائنات میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اور اس کی صفات کو جاننا جیسا کہ ارشادِ رب تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ۔ ہم اپنی نشانیاں جہاں میں اور انسانوں میں دکھاتے ہیں تاکہ حقیقت حق ان پر ظاہر ہو۔

(اقتباس ۴۱/۵۳)

(۲) اللہ تبارک تعالیٰ کو یکتا، کارساز مطلق اور اس کے علم کو تمام کائنات پر محیط جاننا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

ترجمہ۔ اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کے برابر زمینیں۔ اللہ کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ جان لو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔" ۶۵/۱۲

(۳) طہارت خارجی اور باطنی کے ساتھ رب تعالیٰ کا ذکر کرنا اور وہ فرائض اور اعمال جن کا تعین رب تعالیٰ نے فرمایا ہے مثلاً پنج وقتہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور با استطاعت حج و قربانی۔ ان کی ادائیگی محبت، خلوص اور نیک نیتی سے کرنے سے

رب راضی اور خوش ہوتا ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی یا غفلت نہیں ہونی چاہیئے لیکن انسان کی خلقت میں خطا و نسیان ہے۔ سو عین فطرت اللہ تبارک تعالیٰ نے بندے پر یہ عنایت رکھی کہ وہ توبہ کرنے پر اسے معاف فرما دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں کو عزیز رکھتا ہے۔ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

ترجمہ:۔ بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور نیز صفائی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ (۲/۲۲۲)

توبہ کے لیے رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے قریب ہے کہ تمھارا رب تمھاری برائیاں تم سے اتار دے"۔ (۲۸/۸)

یہاں میں بتاتا چلوں کہ توبہ کی اصل رجوع الی اللہ ہے اس کے تین رکن ہیں۔

(i) ایک اعتراف جرم

(ii) دوسرے ندامت

(iii) تیسرے عزم ترک۔

اگر گناہ قابل تلافی ہے تو اس کی تلافی بھی لازم ہے مثلاً تارک الصلوٰۃ کی توبہ کے لیے پچھلی نمازوں کی قضاء پڑھنا بھی ضروری ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر بجالانا اور تنگی و تکلیف پر صبر کرنا۔

حقوق العباد

ساری کائنات کے حقوق جو انسان سے متعلق ہیں حقوق العباد میں شامل ہیں۔

یہ حقوق اللہ تبارک تعالیٰ نے متعین فرما دیئے ہیں ان کی ادائیگی عبادت ہے۔ اگر ان فرائض کی ادائیگی میں فروگزاشت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس فروگزاشت کو ہرگز معاف نہیں فرماتے کہ اگر حقوق العباد میں معاف کردوں تو انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس کی حق تلفی ہوتی ہے وہی اس کو معاف کر سکتا ہے۔

حقوق العباد میں معاشی، معاملاتی اور معاشرتی علوم تمام حقوق کا احاطہ ہے جو ہر مسلمان فرد پر عائد ہوتے ہیں یعنی والدین کے حقوق، بیوی کے حقوق، بچوں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق۔ یتیمی اور مساکین کے حقوق اور مخلوق خدا کے حقوق، قول و قرار کی پابندی، تجارت کے اصول وغیرہ وغیرہ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

(مسلمانوں) نیکی یہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا

منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف کر لو
بلکہ اصل نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت،
فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر
ایمان لائے اور مال عزیز اللہ کی حُب پر
رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں
اور مانگنے والوں کو دیا اور غلامی وغیرہ کی قید سے
لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں دیا اور نماز پڑھتے
رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور جب کسی بات
کا اقرار کرلیا تو اپنے قول کے پورے اور تنگی و
تکلیف میں اور ہلا چلی کے وقت ثابت قدم
رہے۔ یہی لوگ ہیں جو (دعوئے اسلام) میں
سچے نکلے اور یہی ہیں (جنکو) پرہیزگار
(کہنا چاہیئے) (۲/۱۷۷)

دوسرے حقوق العباد کے وہ فرائض ہیں جو کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی ان کاموں کی انجام دہی جن سے دین قائم رہے لوگوں کے لیے دین کی صحیح تفہیم پیدا ہو۔ افتراق کا سدباب ہو ایسے کام اور تحقیقات ہوں جن سے لوگوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہو کہ وہ دین

کی افادیت سے مستفیض ہو سکیں، ان تمام باتوں کی دعوتِ فکر قرآن کریم اس طرح عطا فرماتا ہے :-

ترجمہ:- "تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک
جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور
واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ
وہ بچیں"۔

ہم میں سے کم و بیش تمام لوگ مندرجہ بالا حقوق کے سلسلے میں باخبر ہیں پھر ان کی ادائیگی کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے اور طبیعت اس کی طرف مائل کیوں نہیں ہوتی۔ بقول غالب

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر ــــ نہیں آتی

اب میں وہ ترغیبات پیش کرنا چاہوں گا جو کہ ادائیگی ہر دو حقوق میں معمد اور معاون ہو سکیں گی۔ پہلے تو ایک عام فطرتِ انسانی کی نشاندہی کرتا چلوں کہ نفسِ انسانی میں کسی بھی طرف ڈھل جانے کی صلاحیت بدرجۂ اتم پہلے سے موجود ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص شراب پیتا ہے دوسرا نہیں پیتا۔ پہلے شخص کو کہا جائے تم شراب چھوڑ دو تو وہ آسانی سے راضی نہ ہوگا اور نہ پینے والے کو

اگر کہا جائے کہ تم پیو تو وہ بھی اس بات پر آسانی سے راضی نہ ہوگا۔
اسی طرح ایک نمازی سے کہا جائے تو نماز چھوڑ دے تو وہ راضی نہ ہوگا اور
نہ پڑھنے والے کو اگر کہا جائے تو پڑھ تو وہ بھی آسانی سے مائل نہ ہوگا۔

کیونکہ شرابی کا نفس شراب، پینے پر اس قدر عادی ہوگیا ہے
کہ وہ اس کا چھوڑنا تکلیف دہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح نہ پینے والا پینے
کے لیے راضی نہ ہوگا کہ اس کا نفس اس طرف مائل ہے اور نہ عادی۔
بعینہٖ نمازی اور بے نمازی کی یہی کیفیت ہے۔

اس مثال سے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہے۔ اگر ہم اپنے
نفس کو طاعات و عبادات کی طرف لے آئیں تو اس میں یہ گنجائش
بدرجۂ اتم موجود ہے کہ وہ قبول کر کے عمل پیرا ہو جائے گا۔

اب دیکھیے نفس کے تین مقام ہیں جن کی نشاندہی اس طرح
کی گئی ہے:۔

(i) نفسِ امّارہ

(ii) نفس لوّامہ

(iii) نفس مطمئنہ

نفس امّارہ: یہ نفس ہمیشہ برائیوں اور گناہوں کی
طرف مائل رہتا ہے اور انتہائی سرکش ہے اس کے زور کو تین چیزوں

سے توڑا جا سکتا ہے:۔

فاقہ

عبادات کا بوجھ

رب تعالیٰ کی توفیق

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

بیشک نفس امّارہ تو برائیوں کا حکم ہی دیتا
ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بیشک
میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۲/۵۳)

نفس لوّام: ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"اور قسم اس نفس کی جو اپنے اوپر بہت ملامت
کرے"۔ (۷۵/۲)

نفسِ لوام انسان کا وہ "جی" ہے جو قصور کے سرزد ہونے
پر ملامت کرے کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی۔ یہی بات اسے گناہ
کے عزمِ ترک پر آمادہ کرتی ہے جو کہ توبہ کے کامل ہونے کا آخری
رکن ہے۔ ایسا نفس مطمئنہ کو پانے کے شوق میں بے قرار ہوتا ہے۔
مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے نفس کی قسم کھائی ہے۔

نفس مطمئنہ: یہ نفس کی وہ قسم یا مقام ہے جو

ایمان وایقان پر ثابت رہے اور اللہ کے حکم کے حضور سر تسلیم خم کرتا رہے۔
برائیوں سے متنفر ایسا نفس بڑے چین میں رہتا ہے۔ ایسے نفس
کے لیے رب فرماتے ہیں:۔

"اے اطمینان پانے والی نفس، اپنے رب کی
طرف واپس ہو تو اس سے راضی وہ تجھ سے
راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو
اور میری جنت میں آ۔" (۸۹/۲۷-۳۰)

یہ مومن سے اس کی موت کے وقت کہا جائے گا جب
دنیا سے اس کے سفر کرنے کا وقت آئے گا۔ اب میں گذارش کرونگا
کہ آپ اپنے نفس کا دیانتداری کے ساتھ کامل جائزہ لیں کہ وہ
مندرجہ بالا درجات میں سے کس سے تعلق رکھتا ہے۔ آگے بڑھنے
سے پیشتر یہ نکتہ بھی عرض کرتا چلوں کہ خیر وشر کا احساس ہر شخص میں
بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس ضمن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
اس حدیثِ مبارکہ کو پیش کرنا چاہوں گا:۔

حدیث رسولؐ: رائقہ اسدی سے مروی ہے میں
رسولِ خدا کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا کہ آپؐ سے خیر وشر کی
بابت پوچھوں پس میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آپؐ کے پاس

پہنچا تو حضور نے فرمایا کیا تم مجھ سے سوال کرو گے یا میں خود ہی
تمھیں بتا دوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا آپ ہی
بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے خیر وشر، نیکی وگناہ کے متعلق
سوال کرنے آتے ہو۔ پھر آپؐ نے اپنی انگشت مبارک میرے سینے
میں مار کر فرمایا کہ اے رائقہ اپنے دل سے پوچھ لے کیونکہ نیکی وہ ہے
جس کا نفس کو الہام ہو اور دل اس سے سکون قرار پکڑے اور شر وہ ہے
جو دل میں کھٹکے، اس کو چھوڑ دو اگرچہ تمھیں اس کے جواز کا ہی فتویٰ
دیا جاتے۔

اب دیکھیے آپ کا نفس برائی جان کر بھی کیا اس کی طرف
مائل ہے تو یہ نفسِ امّارہ کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اب ایسے مسلمان کو
چاہیئے ان برائیوں کی آفت و ہلاکت پر غور کرے اور یہ بھی جان لے
کہ احساس گناہ ہی ایمان کی کسوٹی ہے اور ایسے نفس کا علاج خدا
کی طرف رجوع ہونا ہے۔ اب اس نفس امّارہ کا علاج اس طور شروع
کر دیں۔

۱۔ جائز ضروریات زندگی سے فراغت پاتے کے بعد
لوگوں سے زیادہ ملنے جلنے اور ان سے گفتگو کرنے سے پرہیز کرے۔

۲۔ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ جن میں تادیب،

پند و نصائح کے ساتھ ساتھ عذاب الٰہی کے بیانات ہوں پڑھے اور سمجھے۔ اگر پڑھ نہ سکتا ہو تو سنے اور سننے کی کوشش کرے۔

ارشاد باری ہے:۔

ترجمہ:۔ "تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔"

(۳) غیر ضروری خواہشات کا جائزہ لے کر سدباب کیا جائے۔

(۴) نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرے اور ہمہ وقت "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کا ورد کرے اور یہ آیت بطور دعا کثرت سے پڑھتا رہے۔

ترجمہ:۔ "اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بیشک نفس برائی کا، بُرا حکم ہی دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے (پارہ ۱۳ کا شروع)

نفس لوّام: خطا کے بعد نادم ہونا دلیل ایمان ہے اسی لیے رب نے نفس لوام کی بطور خاص قسم کھائی ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں اس محبوب دل کی جو گناہ کر کے پشیمان ہوتا ہے گویا کہ ندامت کے بعد توبہ کر کے بندہ اللہ تبارک تعالیٰ کی عفو و درگزر اور

اس کی رحمت و رافت کو دعوت دیتا ہے۔ یہ بتاتا چلوں کہ نفس انسانی ہمیشہ یکساں حالت میں نہیں رہتا۔ تغیر و تبدل بلندی و پستی خاصۂ انسانی ہے۔ توبہ کے بعد جب طمانیت خاطر حاصل ہو جائے تو اس کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اسباب و الل اور وہ عمل و اوراد شروع کر دے جس سے لوّام، نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے وہ اعمال و اوراد یہ ہیں:۔

اللہ فرماتے ہیں جب میں بندے کو اپنی طرف بلاتا ہوں۔ تو نوافل کی راہ سے بلاتا ہوں۔ مطلب یہ آپ نوافل کی کثرت کر لیں۔ مہینے میں کم از کم تین معروف روزے رکھ لیں۔ تہجد اپنے اوپر لازم کر لیں اور سجدہ طویل کر لیں۔ ذکر خفی، جلی یا ذکر انفاس کسی راہ سلوک پر چلنے والے سے سیکھ لیں۔ انشاء اللہ ایک چلّے ہی میں افادیت معلوم ہو جائے گی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"اے ایمان والو، اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کو نصیحت ہو جائے قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے اتار دے" ۶۶/۸

توبہ کے ہی باعث طاعت و عبادت نصیب ہوتی ہے گناہوں سے نحوست کی دوری نیکیوں کے سکون اور خوشی کا سامان

مہیا کرتی ہے اور یہی طمانیت خاطر اسے گناہوں سے متنفر کر کے کامل ایمان وایقان پر ثابت رہنے پر آمادہ کرتی ہے۔ رب تعالیٰ کا فضل شامل ہو تو ایسا نفس بڑے چین میں رہتا ہے۔

علامات اخلاقِ حسنہ سے آراستہ، حرص وطمع سے محفوظ لذّت وعبادت سے سرشار یہی وہ مومنین ہیں جن کے بارے میں رب فرماتے ہیں:۔

"جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان (مومن) تو ہم دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائیں گے اور ان کو آخرت میں بھی ان بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائیں گے"۔ (۱۶/۹۷)

یہاں شاہ صاحب مدظلہم العالی کی چند مجالس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان کے ذریعہ پھیلنے والی روشنی کو امت مسلمہ تک پہنچا سکیں۔

47

اِس کتاب

کو یا اس کے کسی حصّہ کو اگر کوئی صاحب یا
ادارہ اپنی جانب سے طبع کرانا چاہیں
تو انہیں خوشی کے ساتھ اجازت ہے

یہ اقدام انشاء اللہ
اللہ کی راہ میں تعاون ہوگا۔ اگر یہ کتاب آپ کسی کو
ھدیہ کرنا چاہیں تو بلا قیمت حسبِ ذیل پتہ
سے طلب فرما سکتے ہیں۔

بیت المکرّم ٹرسٹ
حجرہ شاہ حفیظ
گجو، ضلع ٹھٹھہ